آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ، لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ — بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء — نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اپریل ۱۹۱۱ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام ۲ر خاص ۳ر طلباء سے ع

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیری کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے ہمنے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کے لئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عہ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

المشتہر۔ احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

دیسی کلنڈر

سنہ ۱۹۱۰ء مرتبہ نیاز علی خاں امرتسر۔ اکثر شرفا کے مکانوں میں انگریزی کلنڈر سامنے لٹکے رہتے ہیں جن سے ہر مہینہ کی تاریخوں۔ دنوں۔ تعطیلوں وغیرہ کا پتہ لگتا رہتا ہے اسی غرض سے یہ دیسی کلنڈر شائع کیا گیا ہے جس میں نہ صرف انگریزی بلکہ عربی ہندی شمسی۔ ہندی قمری مہینوں کی تاریخیں وغیرہ درج ہیں۔ ار پر قادیان۔ دفتر بدر سے مل سکتا ہے۔

خریداران ریویو کو اطلاع۔ ہر ایک قسم کی خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں اگر دیر ہو جائے تو معذور سمجھیں۔

(مینجر ریویو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر۱

فتح مکہ نمبر۲

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی

ابو سفیان کے اُس سفر کے متعلق جو اُس نے تجدید معاہدہ کیلیئے مدینہ کی طرف کیا (جسکا ذکر پہلے گذر چکا ہے) احادیث میں ایک عجیب واقعہ کا ذکر ہے جس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوہ لڑکی ام حبیبہ سے شادی کر لی تھی۔ اس لیئے اُس نے جناب نبوی میں حاضر ہونے سے پہلے اپنی بیٹی حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانیکا ارادہ کیا وہاں پہنچکر وہ ایک چٹائی پر بیٹھنے لگا لیکن ام حبیبہ نے جلدی سے اس چٹائی کو کھینچ لیا اور لپیٹ کر رکھ دیا۔ ابوسفیان دیکھکر مبہوت رہ گیا اور حیرت زدہ ہوکر پوچھنے لگا یا بنیة ما ادری ارغبت بی عن ھذا الفراش ام رغبت بہ عنی۔ "میری بیٹی میں حیران ہوں کیا تم نے اس چٹائی کو اسلیئے کھینچا ہے کہ تمھارے خیال میں یہ چٹائی ایسی اچھی ہے کہ میں اسپر بیٹھنے کے قابل نہیں یا تم نے

میری ہی کچھ ایسی شان سمجھی ہے کہ یہ چٹائی میرے لائق نہیں" حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا بل ھو فراش رسول اللہ وانت مشرک نجس یعنی بات یہ ہے کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فراش ہے اور میں نہیں پسند کرتی کہ تو جو ایک ناپاک مشرک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراش پر بیٹھے" یہ سُنکر ابو سفیان نے کہا واللہ لقد اصابک بعدی شر یعنی اللہ کی قسم جب تو میرے پاس تھی تو ایک اچھی لڑکی تھی اب معلوم نہیں کہ تجھے کیا ہو گیا۔ (زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۲۰) مشرک باپ کے یہ الفاظ سُنکر مسلمان بیٹی نے جواب دیا بل ھدانی اللہ تعالیٰ للاسلام فانت یا ابت سید قریش وکبیرھا کیف یسقط عنک الدخول فی الاسلام وانت تعبد حجراً لا یسمع ولا یبصر یعنی ایسا نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کی طرف میری رہنمائی فرمائی ہے۔ ابا جان! آپ قریش کے سردار ہیں اور انہیں سب سے بڑے ہیں پھر آپ اسلام کیوں قبول نہیں فرماتے اور کیوں اُن پتھروں کی پرستش میں مصروف ہیں جو نہ سُن سکتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں" ابو سفیان اپنی بیٹی کے اس وعظ کا کیا جواب دے سکتا تھا اسی وقت وہاں سے چلدیا۔

پیارے ناظرین! اب آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ ام حبیبہؓ کا فعل اور قول کس طرح اس امر کی شہادت دیرہے ہیں کہ وہ اسلام کی شیدائی تھیں۔ اور اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے انتہا ادب ملحوظ تھا۔ اگرچہ آپنے کئی سال کے بعد اپنے باپ کو دیکھا تھا اور یہ فطری تقاضا ہونا چاہیئے تھا کہ باپ کی محبت ہر بات پر غالب آتی لیکن اُنکے دل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر عزت تھی کہ اُنسے ہرگز ہرگز یہ نہ دیکھا جاسکا کہ آنحضرت صلعم کی نشست گاہ پر کوئی بُت پرست بیٹھے خواہ وہ بُت پرست ام حبیبہ کا باپ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ باپ اپنی بیٹی سے ایک عرصہ کی جدائی کے بعد ہی کیوں نہ ملا ہو۔ پھر ملاحظہ ہو کہ بیٹی اپنے باپ کو کس طریق سے اسلام کی دعوت کرتی ہے۔ اُنکے الفاظ سے صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ اُنکو بُت پرستی سے اسی قدر دشمنی تھی جسقدر کہ اسلام سے محبت تھی۔ وہ اس بات پر تعجب کرتی ہیں کہ اُنکے باپ کو اسلام قبول کرنے میں کیوں تامل ہے اس

تعجب کے ساتھ ہی وہ اپنے بُت پرست باپ کو اسکے بودے، مذہب اور پتھر پرستی کے لیئے ملامت کرنیسے بھی نہیں چوکیں اگر مسیحیوں اور دیگر مخالفین اسلام کو انصاف سے حصہ ملا ہے تو اب اُن لوگوں کے لیئے غور کا مقام ہے جو اندھا دُھند آنحضرت صلعم کی متاہل زندگی پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور جبلی شرارت سے معاذ اللہ حضورؐ کے چال چلن پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کو انصاف سے ذرا بھی مس ہو اور اُنکے دل میں سچائی سے شمہ بھر بھی محبت ہو تو اُنکی تسکین اور اُنکے غلط الزامات کی تردید کیلیئے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلعم کی خانگی زندگی سراسر پاک اور پرلے درجہ کی مقدس تھی۔ اگر ہمارے مسیحی معترضین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اصل حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اُنکو لازم ہے کہ آپ کو اُن لوگوں کی آنکھ سے دیکھیں جو آپکو پورے واقف اور بوجہ نہایت قریبی تعلق کے نہ صرف ظاہری حالات بلکہ باطنی رازوں تک سے بھی آگاہ تھے۔ ہم پھر کہیں گے کہ اگر ہمارے مسیحی معترض اس مقدس نبی کی اندرونی زندگی سے واقف ہونا چاہیں تو اُنکو لازم ہے کہ آپکی خانگی زندگی پر ایک گہری نظر ڈالیں۔ اور یہ دیکھیں کہ آپکی بیویاں آپکو کس نظر سے دیکھتی تھیں اور آپکے گہرے رازدار صحابہؓ کا آپکی نسبت کیا خیال تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپکو پرلے درجہ کا مقدس اور پاکباز انسان یقین کرتی تھیں اور اگر آپکے یار غار آپکو ایک راستباز انسان سمجھتے تھے تو اسمیں شک ہی کیا ہوسکتا ہے کہ آپکی زندگی پاک اور آپ ایک مطہر انسان تھے پس جس رنگ میں متعصب مسیحیوں نے آپکو پیش کیا ہے وہ محض فرضی اور دشمنی کا نتیجہ ہے کیونکہ کسی شخص سے جسقدر گھر والے اور رازدار دوست واقف ہوسکتے ہیں اس قدر دوسرے نہیں ہوسکتے۔

ابوسفیان اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی اس بات چیت سے اُس امر کی تائید ہوتی ہے جس کا اس سے قبل ہم ذکر کرچکے ہیں یعنی یہ کہ تعلقات ناطہ داری قائم کرنیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غرض یہ تھی کہ اگر کفار آپکے رشتہ دار ہوگئے

تو بوجہ قرابت انکو موقعہ ملیگا کہ آپکے اخلاق و عادات اور آپکے مذہب کا پورے غور و خوض سے مطالعہ کریں اگر ابو سفیان کی لڑکی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلعم کے حرم میں داخل نہ ہوتی تو ابو سفیان کو یہ موقعہ کہاں سے ملتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جانا اور اپنی آنکھوں سے آپکی زوجہ مطہرہ کے صدق اور ایمان کا مشاہدہ کرتا۔ اسمیں شک ہی کیا ہوسکتا ہے کہ ابو سفیان پر اُسکی بیٹی کے کلام کا ضرور اثر ہوا ہوگا اور اُسے یقین ہوگیا ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی آپ پر اسی طرح فدا ہیں جسطرح کہ دوسرے مسلمان ہیں اور کہ انکے دلوں میں بھی اشاعت اسلام کی وہی تڑپ ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔ کیونکہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو صاف الفاظ میں دعوت اسلام دی تھی اور اسکو ملامت کرکے کہا تھا کہ "کیا تم ان پتھروں کو پوجتے ہو جو نہ دیکھتے اور نہ سُنتے ہیں" الغرض اس میں کلام نہیں کہ حضرت ام حبیبہ رض کی گفتگو نے ابو سفیان پر اثر ڈالا اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے تبدیل ہوکر نکلا یعنی جو کچھ اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق اُسکے خیالات تھے اُنمیں کسی قدر اصلاح ہوگئی اور اس طرح سے قرابت و ناطہ داری کے اتحاد میں آنحضرت صلعم کو جو غرض مطلوب تھی وہ حاصل ہوگئی۔

مکہ پر چڑھائی ابو سفیان کے روانہ ہونیکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کرنیکے لیئے فوری تیاریوں کا حکمدیا اور پوری احتیاط سے اس بات کا التزام کیا کہ ان تیاریوں کی خبر مکہ نہ پہنچے جب لشکر اسلام کوچ کے لیئے آمادہ ہوا تو اُسوقت معلوم ہوا کہ دو سال کا امن مسلمانوں کے لیئے بہت ہی مفید پڑا ہے اور اس زمانہ میں اسلام نے عجیب وغریب سرعت سے ترقی کی ہے۔ اسوقت سے دو سال قبل جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی ادائگی کیلیئے روانہ ہوئے تھے تو آپکے ہمرکاب صرف پندرہ سو آدمی تھے لیکن اب دس ہزار قدوسیونکی جماعت آپکے ساتھ تھی اور اس روز وہ پیشگوئی ظہور پذیر ہوئی جو خدائے تعالیٰ کے ایک مقدس نبی موسیٰ علیہ السلام کے مُنہ سے نکلی تھی جو پرانے عہد نامہ میں اسطرح مذکور ہے

"خداوند سیناسے آیا۔ اور شعیر سے اُنپر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اُسکے دہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُنکے لیئے تھی" استثنا۔ ۳۳-۲

خداوند کے 'آنے' طلوع اور جلوہ گر ہونے سے صریحاً خدائے تعالیٰ کے انبیاء کی بعثت مراد ہے جنکے مامور ہونیکی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ دنیا کو اُس کے مولیٰ کا منور چہرہ دکھائیں۔ پہلا جو کہ 'سینا سے آیا' وہ موسیٰؑ تھا دوسرا جو شعیر سے طلوع ہوا وہ یسوع مسیح تھا اور تیسرا اور آخری جو فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا' وہ وہی شخص تھا جو دس ہزار صحابہؓ کی مقدس جماعت کے ساتھ مکّہ کی طرف کوچ کر رہا تھا اور اسی کے ہاتھ میں بنی اسرائیل کیلیئے ایک آتشی شریعت دیگئی تھی۔ قریش کو معلوم تھا کہ اُنکو اپنی کرتوتوں کا جواب دہ ہونا پڑیگا اور جو ظلم اُنکے ہاتھ سے بنو خزاعہ پر ہوا تھا وہ اس قابل نہیں کہ اُسکو نظر انداز کیا جاوے کیونکہ خزاعہ مسلمانوں کے مددگار اور اُنکے زیر حفاظت تھے۔ لیکن لشکر اسلام کی نقل و حرکت کو ایسی احتیاط سے خفیہ رکھا گیا اور ایسی پھرتی سے کوچ کیا گیا کہ قریش کو اسوقت خبر ہوئی جب اسلامی فوج عین مکّہ کے دروازے پر پہنچگئی۔

ابھی مسلمانوں کی فوج مدینہ سے تھوڑی دُور ہی آئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو ابتک مکّہ ہی میں تھے مع اہل و عیال مکّہ سے ہجرت کر کے مقام جحفہ پہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم اور مہاجرین سے ملاقی ہوئی۔ حضرت عباسؓ کے علاوہ دو اور نومسلم بھی راستہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر آئے۔ انمیں سے ایک تو آپ کا چچیرا بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب تھا اور دوسرا آپکا پھپھیرا بھائی عبداللہ بن ابی اُمیہ تھا۔ یہ لوگ نومسلموں کے اُس لگاتار سلسلہ کا تتمہ تھے جو صلح حدیبیہ کے وقت سے برابر جاری رہا تھا ابوسفیان بن حارث بھی اپنے ہمنام ابوسفیان بن حرب کی طرح اسلام کا سخت دشمن تھا اور اب مسلمان ہو کر اپنے کیئے پر اسقدر نادم تھا کہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہمیشہ آنکھیں نیچی کرکے بیٹھا کرتا تھا۔

پیارے ناظرین! بھلا وہ کونسی بات تھی جو ابوسفیان کو نادم کر رہی تھی۔ وہ اپنے کیئے پر پشیمان تھا تو کیوں؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اُسکی آنکھیں کیوں نیچی ہوتی تھیں؟ ان سوالوں کا جواب صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ اُس پر یہ امر واضح تھا کہ جن قریش کا اُس نے اب تک ساتھ دیا اور جن کے ساتھ ہوکر مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائی تھی وہ ظلم اور زیادتیوں کے مرتکب ہوئے تھے اور انہوں نے بلاوجہ بے قصور مسلمانوں کو دُکھ اور ایذا پہنچائی تھی۔ پس اس گناہ اور جرم کا تصور وخیال ابوسفیان کی گردن جھکاتا اور مارے شرم کے اُسکی آنکھیں نیچی کراتا تھا۔

ابوسفیان بن حارث نے جو الفاظ پہلے پہل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیئے وہ یہ تھے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ۝ اللہ تعالےٰ کی قسم خدائے تعالیٰ نے تجھے ہم پر بزرگی دی ہے اور ہم بلاشبہ خطا کار ہیں۔

یہ وہ الفاظ تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ملک مصر میں اپنے بھائی یوسف کی نسبت استعمال فرمائے تھے اور اب ابوسفیان بن حارث نے بھی اُنہی الفاظ کا اعادہ کیا جو یعقوب کے بیٹوں کے مُنہ سے نکلے تھے اور اسطرح گویا نہ صرف اپنے جرم کا اقرار کیا بلکہ اپنے بھائیوں یعنی قریش کا گنہگار ہونا بھی تسلیم کرلیا۔

غرض ابن حارث نے قریش کی زیادتیوں کو برادران یوسف کے ظلم وجبر سے مشابہت دی۔ اس موقعہ پر ابوسفیان نے چند شعر پڑھے تھے جن سے واضح ہوتا ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حفاظت ذاتی کے لیئے لڑائی نہیں چھیڑی تھی بلکہ اس جنگ سے اُنکو اپنے ٹھاکروں کی حفاظت مطلوب تھی یا یوں کہو کہ وہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے کیونکہ اسلام کی موجودگی اُنکے بتوں کی ہلاکت کا موجب تھی۔ چنانچہ وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

لعمرك انی حين احمل راية ﴿ لتغلب خيل اللات خيل محمد

كالمدلج الحيران اظلم ليله ﴿ فهذا اوانی حين اهدی فاهتدی

هدانی هاد غیر نفسی و دلنی ۞ علی الله من طردته کل مطرد

(خلاصہ مطلب) تیری عمر کی قسم۔ جب میں جھنڈا اٹھایا کرتا تھا تاکہ لات کا لشکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر پر غالب آئے تو اسوقت میں اُس رات میں چلنے والے کی طرح تھا جو اندھیری رات میں سرگردان پھرتا ہے۔ پس اب میرے ہدایت پانیکا وقت آگیا ہے اور ایک ایسے ہادی نے میری اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کی ہے جسکو میں طرح طرح کے دُکھ پُہنچایا کرتا تھا۔ (ابن ہشام) یہ اشعار بھی اُن شہادتوں میں سے ایک شہادت ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش نے مسلمانوں کے تلوار اُٹھانے میں سبقت کی تھی اور یہ کہ اس جنگ سے قریش کی غرض صرف یہ تھی کہ اسلام کی بیخکنی ہو جائے اور اُنکے بُتوں کی حفاظت ہو یا بالفاظ دیگر یہ کہ وہ اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں لڑتے تھے اور نہ کہ ذاتی بچاؤ کیلئے جیسا ہمارے مسیحی معترضین کا خیال ہے۔ لات جسکا ان اشعار میں ذکر ہے ایک بُت کا نام تھا

اسلامی فوج نے اس سرعت سے کوچ کیا کہ ایک ہی ہفتہ کے اندر مقام مرالظہران پر پُہنچ گئی جو مکہ سے صرف ایک دن کا راستہ تھا۔ یہاں پُہنچکر حضرت نبی کریم صلعم نے حکم دیا کہ رات کو تمام لشکر آدمی ڈیرے کی بلندیوں پر جگہ جگہ آگ جلا دیں۔ اس حکم سے رحم مجسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غرض تھی کہ اب بھی قریش جنگ سے باز آئیں اگر اُنپر کسی اور بات سے اثر نہیں کیا تو کم ازکم وہ لشکر کی تعداد معلوم کر کے ہی مقابلہ سے رُک جائیں۔ شام کے وقت ابو سفیان بن حرب جو قریش کا رئیس تھا حکیم اور بدیل کو ساتھ لیکر لشکر اسلام کی خبر لانے کیلئے باہر آیا۔ باہر آکر جب انہوں نے دس ہزار آگ جلتی دیکھی تو وہ اسقدر متحیر ہوئے کہ بیان سے باہر ہے۔ ابھی وہ قیاس کے گھوڑے میدان فکر میں دوڑا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اتنی بڑی فوج پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی کہ اس اثنا میں ایک آواز آئی جس نے ابو سفیان کو مخاطب کر کے کہا یا ابا حنظلہ یہ آواز جو رات کی تاریکی میں سے آئی تھی دراصل عباس رضی عم رسولؐ کی آواز تھی۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ بھی اپنے رحم مجسم بھتیجے کی طرح قریش

کی شفقت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ کسی طرح قریش مسلمانوں کے مقابلہ سے رُک جائیں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں تباہ نہ کریں اس غرض سے وہ آنحضرت صلعم کی خچر پر سوار ہو کر مکہ کی سڑک پر آئے تھے تاکہ اگر کوئی مسافر یا لکڑہارا مکہ جاتا ملجائے تو اُسکے ہاتھ قریش کو اسلامی لشکر کی خبر کر دیں۔ عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم کریم طبیعت سے واقف تھے اور اُنکو یقین تھا کہ اگرچہ قریش اکیس سال سے برابر مسلمانوں پر ظلم توڑ رہے ہیں تاہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکی گذشتہ خطا کاریوں سے درگذر کریں گے اور اُنہیں معاف فرما دیں گے اور اسطرح مکہ کے لوگ تباہی سے بچ جائیں گے۔ پس عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا کہ جن روشنیونکو دیکھکر تم بحر تحیر میں غرق ہوئے ہو وہ مسلمانوں کی فوج نے جلائی ہیں اور لشکر اسلام کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ قریش اسکا مقابلہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر تم میرے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ تک چلے آؤ تو میں حضور کی خدمت میں عرض کر کے تمھیں معافی دلا سکتا ہوں۔ ابوسفیان بھی حضرت نبی کریم صلعم کی رحیم طبیعت سے واقف تھا اُس نے دُور اندیشی ہی مناسب سمجھا کہ اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ عباس رض نے اسکو خچر پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور آناً فاناً نبی کریم صلعم کے درِ دولت پر پہنچگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو کہا کہ آپ اسوقت ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لیجائیں اور صبح کے وقت اُسکو اپنے ساتھ لائیں جب ابوسفیان صبح کو پھر دربار نبوی میں لایا گیا تو حضور نے اُسے دیکھکر فرمایا الم یان لک ان تعلم انہ لا الہ الا اللہ یعنی کیا ابھی تک وقت نہیں آیا کہ تو یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس کے جواب میں ابوسفیان نے کہا بابی انت وامی ما احلمک واکرمک واوصلک واللہ لقد ظننت ان لو کان مع اللہ الہ غیرہ لقد اغنی عنی شیئاً یعنی اگر اللہ کے سوا کوئی اور دیوتا ہوتا تو وہ میرے کسی کام آتا" (ابن ہشام) ابوسفیان کا یہ جواب اس قابل ہے کہ ہمارے معترضین اسے غور سے پڑھیں۔ بھلا کوئی معبود

اُسکے کس کام آسکتا تھا؟ اور اب وہ اپنے بتوں سے کیوں بیزار ہوگیا تھا؟ اسکی صرف یہی وجہ تھی کہ ان جھوٹے معبودوں کی حمایت میں وہ جنگ کرتا رہا تھا۔ ابوسفیان اور قریش کی غرض ان جنگوں سے صرف یہ تھی کہ اسلام کو نیست و نابود کردیں کیونکہ اسلام کی زندگی اُنکے معبودوں کی موت تھی۔ اگرچہ دشمنان اسلام نے اپنی معاندانہ کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا اور اگرچہ اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں خون تک بہا دیا تھا تاہم ان جھوٹے معبودوں نے اُنکا ذرا بھی ساتھ نہ دیا۔ اور باوجود ابوسفیان اور قریش کی ان تھک کوششوں کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا غالب آگیا اور اُنکے تین سو ساٹھ دیوتا سرنگوں ہوکر اپنے پوجاریوں کی شرمساری کا موجب ہوئے اللہ۔ اللہ۔ ایک طرف ایک بیکس انسان ہے جسکا بظاہر کوئی حامی و ناصر نہیں اور اُسکے مقابلہ میں لاانتہا دشمن صف بستہ ہیں آخر وہی تن تنہا فرد واحد آخر کار کامیاب ہوتا ہے۔ جو خدا اُس نے پیش کیا وہ بھی ایک ہی خدا تھا اور مقابلہ میں تین سو ساٹھ معبودوں کی جماعت تھی۔ ایک خدا سے سینکڑوں خداؤں کی جنگ ہوئی لیکن انجام یہ ہوا کہ ایک نے سینکڑوں کو مغلوب کیا پس فتح ہوئی تو ایک خدا اور ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہوئی اور لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا چار دانگ عالم میں ڈنکا بجا۔ خدائے اسلام اور پیغمبر اسلام کی آخری فتح نے ابوسفیان کے دل پر گہرا اثر کیا اور بتوں کی محبت کو اُسکے دل سے نکالدیا۔ در اصل اب ابوسفیان کو بلکہ تمام قریش کو اپنے معبودوں کے بطلان کا یقین ہوچکا تھا اور ابوسفیان کی آواز بحیثیت قریش کا رئیس ہونیکے تمام قوم کی آواز تھی۔ گویا اب تمام قریش یہ کہہ رہے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو وہ ہمارے کسی کام آتا کیونکہ ہم اپنے معبودوں کی حمایت کیلئے ناخنوں تک زور لگا چکے ہیں۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب ابوسفیان قریش کی فوج لیکر جنگ احد کیلئے آیا تھا تو اپنے ساتھ بتوں کو بھی لایا تھا اور بڑی عزت و وقار کے ساتھ اُنکو فوج کے مرکز میں رکھا ہوا تھا۔ جب جنگ احد کا خاتمہ ہوا۔ تو ابوسفیان نے باآواز بلند کہا "عزّیٰ کی جے جبل کی جے! عزّیٰ ہمارا ہے تمہارا نہیں" مسلمانوں نے اسکے جواب میں یوں کہا

لنا اللہ مولینا ولا مولے لکم یعنی اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ الغرض اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ قریش حفاظت ذاتی کیلئے مسلمانوں سے آمادہ پیکار نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی جیسا کہ بعض معترضین کا خیال ہے انہوں نے اپنے قافلوں کی حمایت وحفاظت کیلئے ہتھیار اُٹھائے تھے بلکہ ان جنگوں سے اُنکی غرض یہ تھی کہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹائیں اور لات و عزیٰ و ھبل کی شان بلند کریں۔

پیارے ناظرین! پُرانا طرز جنگ یہ تھا کہ بادشاہ ہمیشہ قلب لشکر میں ہوتا اور تمام فوج اُسکے گرداگرد لڑتی مرتی گویا تمام جنگ کا دارومدار بادشاہ کی حفاظت ہوتی جونہی بادشاہ مارا جاتا یا قید ہوتا وہیں فوج بھاگ جاتی اور ہزیمت سمجھی جاتی۔ پس جنگ احد میں کفار مکہ کا قلب لشکر میں اپنے بتوں کو رکھنا صاف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کی خاطر لڑ مر رہے ہیں اور تمام جنگ وجدل کا دارومدار انہی کی حفاظت تھی۔ پھر جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال اور ابوسفیان کا جواب اس امر کی ایک اور بیّن و روشن شہادت ہے۔ کیا اسلام کے معترضین یہاں پر تعصب کی عینک اُتار کر ایک نظر سے ان واقعات کو دیکھ سکتے ہیں؟

اب ابوسفیان حضور نبوی میں پیش ہے وہ اُس قوم کا سفیر ہے جو اکیس سال سے برابر نبی کریم صلعم کو دُکھ دے رہی تھی اور ایذا رسانی سے اسوقت تک باز نہیں آئی تھی جبتک خائب۔ خاسر اور کمزور نہیں ہوگئی۔ اُس نے ایک تنہا رحیم کریم ناصح کی جان پر حملے کئے۔ اُسکے پیرؤں کو گرم ریت پر لٹا لٹا کر طرح طرح کے عذاب دیئے۔ اُسکی پردہ نشین عورتوں کی بے حرمتی کی اُسکی آنکھوں کے سامنے اُسکے خدام کو رنگ رنگ کے دُکھ دیئے۔ آقا اور خادم سبکو وطن چھوڑ ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ بے وطن مہاجرین کا تعاقب بھی کیا اور مور و ملخ سے لشکر کے ساتھ مٹھی بھر مومنوں کا بالکل خاتمہ کرنا چاہا۔ پھر بار بار فوج کشی کر کے اور اقوام عرب کو اکٹھا کر کے اسلام کا نام و نشان مٹانا چاہا۔ بیکس ستمدیدہ انسان جنپر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے جرم میں طرح طرح کے ظلم و ستم توڑے

جاتے تھے اب صاحب اختیار ہونیوالا ہے اور یقیناً چند ہی گھنٹوں کے بعد اُسکے دشمن اُسکے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔ آؤ ہم دیکھیں وہ اُنسے کیا سلوک کریگا اُسکے کیا ارادے ہیں اگر کوئی دنیوی بادشاہ ہوتا تو آج حکم دیتا کہ شہر کو گھیر لو باشندوں کو قتل کرو مال کو لوٹ لو۔ اُنکے سردار کو پکڑ لو یہ ظالم اس قابل نہیں کہ انہیں معاف کیا جائے۔ لیکن یہاں سابقہ ہے تو اُس سے جو رحمۃ للعالمین ہے رحیم اور کریم ہے اور وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا مصداق ہے پس اسلیئے ابوسفیان کو ارشاد ہوتا ہے من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن ومن اغلق علیہ بابہ فھو اٰمن ومن دخل المسجد فھو اٰمن (ابن ہشام) یعنی "اپنی قوم سے کہدو کہ جو شخص آج ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیگا اُسکو امان دیجائیگی جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیگا اُسکو امان دیجائیگی اور جو مسجد کعبہ میں داخل ہوگا اُسکو بھی امان دیجائیگی" اللہ۔ اللہ کیا رحم اور کیسا عفو ہے کہ ذرا بھی قوت انتقام سے کام نہیں لیا جاتا اور فوراً امان کا وعدہ دیا جاتا ہے اللھم صل علی محمد وعلی الہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔ ناظرین ذرا انصاف کریں کہ اگر نبی عربی صلعم واقعی پیشدستی اور زیادتی کرنیوالے تھے تو اب امان کیسی اور وہ کیوں۔

فتح مکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوسفیان کو کسی اونچی جگہ پر کھڑا کر کے اسلامی فوج کا ایک نظارہ دکھاؤ۔ پس جب لشکر اسلام علیحدہ علیحدہ دستوں میں فوجی ترتیب سے گذرا ... تو ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہوکر بڑے تحیر اور تعجب سے دیکھا کہ ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے درجہ پر صف آرا جارہا ہے اور ہر قبیلہ کے سردار کے پاس ایک عَلَم ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُسی قبیلہ کو دیا گیا ہے۔ یکے بعد دیگرے ہر ایک قوم اور قبیلہ کا نام بتایا گیا حتٰی کہ آہن پوشوں کی ایک جماعت آ پہنچی جنمیں سے ہر سپاہی سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ یہاں تک ابوسفیان دنگ رہ گیا اور متعجب ہوکر عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کرنے لگا کہ سبحان اللہ یا عباس من ھؤلاء۔ سبحان اللہ! اے عباس یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت عباس رضی جواب دیا کہ "یہ مکہ اور مدینہ کے بہادر جوان ہیں جو خاص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے وجود مبارک کی حفاظت کرتے ہیں" ابوسفیان یہ سُنکر بولا" درحقیقت تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک عظیم سلطنت ہے" حضرت عباسؓ نے کہا" نہیں وہ ایک بادشاہ سے بڑھ چڑھکر ہے وہ تو خدا کا ایک عظیم الشان نبی ہے" اسکے جواب میں ابوسفیان نے کہا ہاں تم سچ کہتے ہو یہ کہکر وہ شہر کی طرف دوڑا اور جونہی کہ وہ مکہ میں داخل ہوا اُس نے باآواز بلند پکار کر کہا۔" اے قریش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے سر پر آپہنچا۔ اُس کے ساتھ اسقدر فوج ہے جسکا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو شخص آج میرے گھر میں داخل ہوگا اُسکو امان ہوگی جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا اُسکو امان ہوگی اور جو مسجد کعبہ کے اندر چلا جائیگا وہ امان پائیگا" اسپر ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ غضب کے ساتھ اسکی طرف بڑھی اور اُسکی مونچھیں پکڑ کر بولی اقتلوا الحمیت الدسم الا حمس قبح من طلیعة قوم "اس موٹے چربی دار ہٹے کٹے کی گردن ماردو یہ اپنی قوم کا منحوس جاسوس ہے" ابوسفیان نے پھر کہدیا" کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ عورت تمکو دھوکہ دیدے کیونکہ تمپر اتنی فوج چڑھ آئی ہے جسکا مقابلہ تمھاری طاقت سے باہر ہے" یہ سُنکر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے اور کواڑ بند کر لیئے۔ اِدھر ابوسفیان نے مکہ میں جاکر منادی کی اُدھر لشکر اسلام کوچ کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گیا کہ شہر دکھائی دینے لگا۔ شہر تو دکھائی دیا لیکن کسی مخالف فوج کا کوئی نشان نہ تھا۔ اب امر روز روشن کی طرح ظاہر تھا کہ بڑھنے والے لشکر کے لیئے کوئی سدِّ راہ نہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تو آپ فوراً اپنے اُونٹ ہی کی نشست پر سر بسجود ہو گئے اور جناب باری کا شکریہ ادا کیا۔ ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے چار دستے کیئے ہوئے تھے ہر ایک دستہ فوج کو حکم دیا تھا کہ مختلف راستوں سے شہر کے اندر داخل ہوں۔ یہ ایک احتیاط تھی کیونکہ اگر کسی ایک جگہ دشمن مقابلہ کرتا تو دوسرا دستہ عقب سے آکر ایسے دشمن کا احاطہ کر سکتا تھا۔ ان تمام فوجی دستوں کو آنحضرت صلعم کا تاکیدًا حکم تھا کہ سوائے سخت مجبوری کے کسی سے لڑائی نہ کریں اور ہرگز ہرگز کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ایک دستہ فوج میں انصار مدینہ تھے اُنکا سردار سعد بن عبادہ تھا۔ جب یہ لوگ شہر کے نزدیک پہنچے تو سعد نے باآواز بلند کہنا شروع کر دیا کہ الیوم یوم الملحمہ

یعنی آج خونریزی کا دن ہے اور آج مکہ کیلئے کوئی امان نہیں جب اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے سعد سے علَم لیکر اسی کے بیٹے قیس کے حوالہ کر دیا۔ الغرض لشکر اسلام چار دستوں میں منقسم ہوکر شہر مکّہ میں داخل ہوا۔ اور سوائے اُس دستہ کے جو خالد کے زیر کماں تھا اور سب بے روک ٹوک شہر کے اندر چلے گئے۔ خالد کے دستہ کا قریش کے چند جوانوں نے جنکے سرغنہ صفوان ابن اُمیہ سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ تھے تھوڑا سا مقابلہ کیا لیکن اُن کو جلدی ہی پسپا ہونا پڑا۔ جب خالد کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ تو اسی وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اتفاقیہ ایک بلند مقام پر سے ہوا۔ اس بلندی پر سے آپکی نظر اُن تلواروں پر جا پڑی جو شہر کے دوسرے حصّہ میں چمک رہی تھیں۔ آپ فوراً خفا ہوکر فرمانے لگے ما ھٰذہ وقد نھیت عن القتال یعنی یہ تلواریں کیسی چمکتی ہیں حالانکہ مَیں نے جنگ سے منع کیا تھا۔ جب آپکو اصل واقعہ سُنایا گیا تو فرمایا قضاء اللہ خیر۔ اب مکّہ فتح ہو چکا ہے اور فتح بھی قریباً بلا کسی قسم کی خونریزی کے ہوئی اور وہی بیکس انسان جسکو گالیاں دیجاتی تھیں۔ جسے خارج از قوم سمجھا جاتا تھا اور جسے شہر بدر کر دیا گیا تھا آج وہی مکّہ کا مالک ہے۔ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکے صحابہؓ نے عرض کی کہ کیا حضور اپنے گھر میں نہیں نزول فرمائیں گے؟ آنحضرت صلعم نے جواب دیا کہ کیا ان لوگوں نے اب تک میرے لیئے اس شہر میں کوئی گھر چھوڑا ہے مکّہ میں داخل ہوتے وقت گذشتہ زخم تازہ ہو گئے تھے لیکن انتقام اور غضب کے جذبات پر رحمت۔ عفو اور احسان نے جو حضور کے قلب صافی میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے غلبہ حاصل کر لیا اور آپنے وہ کیا جو نبیوں کے سردار رسولوں کے خاتم کی شان کے شایاں تھا۔ کیا ہمارے مخالف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عفو و رحم پر غور کریں گے؟

اہل مکہ اسلام قبول کرتے ہیں

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخل ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جسکی نظیر صفحہ تاریخ پر نہیں ملتی۔ اس مقدس شہر کی فتح کے متعلق جو واقعات ہیں اُنکے مطالعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص پیغمبر اسلام علیہ الف الف سلام کی نسبت یہ دریافت کرنا چاہے کہ آپ کیسے انسان تھے تو اُسے مناسب ہے کہ اُس حسن سلوک پر غور کرے جو آپنے اپنے جانی دشمنوں سے کیا اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ اُنکی طاقت ٹوٹ چکی تھی اور وہ مغلوب ہوکر محض آپکے رحم کا سہارا رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول اور ہر فعل میں دشمنوں کے ساتھ ایسی فیاضی اور فراخدلی کا برتاؤ پایا جاتا ہے جسکی مثال جہان کی تاریخ میں ہرگز ہرگز کہیں نہیں مل سکتی۔ اس سے بڑھکر اور کیا فیاضی ہو سکتی تھی کہ آپنے حکم دیدیا "جو آج ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا امان پائیگا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا امان پائیگا اور جو مسجد کعبہ میں داخل ہوگا امان پائیگا"۔ آپ دل سے چاہتے تھے کہ قریش تباہی سے بچ جائیں اور جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اسی غرض سے آپنے سپہ سالاران لشکر کو تاکیداً حکم دیدیا تھا کہ سوائے سخت مجبوری کے ہرگز ہرگز لڑائی تک نوبت نہ آئے۔ پھر جب آپکی نظر شہر کے دوسرے حصہ میں چمکتی ہوئی تلواروں پر پڑی تو فوراً فرمایا کیا مینے تاکیداً حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی جنگ وجدل نہ ہو؟ ہم یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ جب ایک فوجی افسر نے جوش دلانے والے اشعار پڑھے تو آپنے فوراً اسکو معزول کرکے اسکی جگہ ایک اور شخص کو سردار مقرر کیا۔ کیا یہ امور اس بات کی بین شہادت نہیں؟ کہ نبی کریمؐ اہل مکہ میں سے کسی ایک متنفس کا بھی خون گرانا نہیں چاہتے تھے۔ پہلے جنگوں میں بھی اگر آپنے اپنے صحابہؓ کو ہتھیار اُٹھانیکی اجازت دی تو صرف اسوجہ سے کہ سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہ تھا پس آپنے اگر کوئی لڑائی کی تو ایسے وقت جبکہ ہر طرح مجبور ہوگئے۔ اب کوئی مجبوری نہ تھی دشمن بے زور اور بے کس تھا اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اسلیئے آپنے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

حکم دیدیا کہ کسی قسم کی خونریزی نہ ہونے پائے۔ علاوہ ازیں یہ ارشاد بھی فرمایا کہ اہل مکہ کے مال کی حفاظت کیجائے اور انہیں سے کوئی قید نہ کیا جائے۔

شہر میں بطور فاتح کے داخل ہوکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے کعبہ میں تشریف لے گئے تاکہ خدائے تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں جس نے آپکو یہ بے نظیر کامیابی عطا فرمائی۔ اسکے بعد ایک نظارہ دکھائی دیا جس نے اہل مکہ پر ثابت کر دیا کہ انکی دیوتا کمزور اور ناتوانا ہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے وسط میں کھڑے ہوکر اپنے عصا کے ساتھ ایک ایک کرکے تین سو ساٹھ بتوں کی طرف اشارہ کیا اور اشارہ کے ساتھ ہی قریش کے دیوتا۔ جنکی حمایت کیلئے نہ صرف انہوں نے خود بلکہ انکی مددگار عرب کی دوسری اقوام نے بھی برسوں کشت وخون کا بازار گرم رکھا تھا جھٹ ڈنڈوت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں گرنے لگے جب ھبل کا بڑا بت کعبہ کے سامنے زمین پر دھم سے گرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ یعنی سچائی آگئی اور جھوٹ بھاگ گیا جھوٹ تھا بھی اس قابل کہ وہ بھاگ جاتا۔

پیارے ناظرین! مذکورہ بالا آیت فتح مکہ سے بہت سال قبل نازل ہوئی تھی۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی اُسوقت دنیا کو سنائی گئی تھی جب اسلام ابھی بچہ ہی تھا اور اس بچہ کی جان کے درپے ایک جہان تھا۔ دشمن چاہتے تھے کہ اس ننھے سے بچے کو ہی ہلاک کر ڈالیں لیکن خدا کے علم میں اس بچہ نے جوان ہونا تھا اور اُس کے ہاتھ سے ہی خدا کے گھر نے جو بتوں کا گھر بن گیا تھا پھر اپنے اصل مالک کا گھر بننا تھا اور وہی ہوا جو خدا نے فرمایا تھا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

کفار اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا باہمی جنگ دراصل کفار عرب کے بے شمار دیوتاؤں اور اسلام کے ایک خدا کی باہمی لڑائی تھی۔ اوّل الذکر کے قائم مقام عرب کے تمام مغرور ومتکبر رؤسا تھے اور آخر الذکر کی طرف سے ایک فرد واحد یعنی حضرت

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا تھے۔ اگرچہ بظاہر کامیابی کا تاج کفار کی دیوتاؤں کے سر پر مزین ہوا دکھائی دیتا تھا اور اسلام کا اکیلا واعظ اپنے بے شمار دشمنوں کے سامنے بالکل بیکس معلوم ہوتا تھا تاہم اس عالم ناتوانائی میں اُس واحد خدا نے اپنے خادم کو اپنی امداد و اعانت کا وعدہ دیا۔ اور اُسوقت فتح کی خوشخبری سُنائی جب اُسے سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ خدائے تعالیٰ کے ان وعدوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان بھی کر دیا تھا تاکہ جب وہ پورے ہوں تو ظالم ایذا دہندہ مخالفین پر حجت ہو اور شاید اس طرح اُنکے سیاہ باطن ایمان کے نور سے منور ہو جائیں لیکن آہ۔ بدبخت دشمنوں نے اس خدائی آواز پر ہنسی اُڑائی اور بجائے نرمی اختیار کرنیکے اور بھی سختی شروع کر دی گویا اس پیشگوئی کو سُنکر اُنکا غضب اور بھڑک اُٹھا اور اُنہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اسلام کا شروع ہی میں خاتمہ کر دیں اور اس ننھے پودے کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پھینکدیں۔ اس دشمنی کا کیا نتیجہ ہوا۔ خدا کے فرمودہ الفاظ کس طرح پورے ہوئے اُسکے لیئے صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی امداد کا وعدہ پورا کیا اور جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوئے اُس دن وہ پیشگوئی کما حقہٗ پوری ہوئی جسکا اعلان برسوں پہلے ہو چکا تھا۔

خدائے تعالیٰ کے کام عجیب ہوتے ہیں ملاحظہ فرمایئے کہ جس شہر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو دشمنوں نے باہر نکالا تھا وہی بستی اب آپکے قبضہ میں ہے اور جن لوگوں نے مسلمانوں کو ایذا دی تھی وہی اب اُنکے محکوم زیر فرمان ہیں۔ شہر اور اہل شہر کی تو بات ہی کیا تھی اب تو عربوں کے دیوتا۔ جنکی خاطر سے وہ کٹتے مرتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین کے ساتھ پیوست کیئے جا رہے تھے اہل مکّہ کے بُتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین پر گرایا جانا ہی ایک ایسا امر تھا جو بُت پرست مکّہ والوں کو یاد دلاتا تھا کہ انکے معبود معمولی پتھروں پر کسی طرح کی فوقیت نہیں رکھتے۔

جب بتوں کو توڑا جاچکا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کی تصویروں کو جو کعبہ کی دیواروں پر منقش تھیں ہٹا دیا گیا تو بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دی۔ پیارے ناظرین! جو بلالؓ اسوقت کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوکر اللہ اکبر کی صدا کر رہا ہے یہ وہی حبشی غلام ہے جسکو اُسکا بُت پرست آقا بطحاء کی جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر سخت ایذا دیا کرتا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کا کعبہ کی چھت پر چڑھنا ہی مغرور متکبر قریش کے کبر و رعونت کو توڑنے کیلئے کافی تھا اور اُنکی صدا جہاں مومنوں کو نماز کے لیئے بلا رہی تھی وہیں کفار کے دلوں پر چھریوں کا کام کر رہی تھی چنانچہ بنی سعید بن العاصی میں سے ایک شخص نے حضرت بلال رضی اللہ کی آواز سُنکر کہا لقد اکرم اللہ سعید اان قبضہ قبل ان یری ھذا الاسود علیٰ ظھر الکعبہ۔ خدا نے ہمارے ابا سعید پر بڑی عنایت فرمائی کہ اُسے موت دیکر اس تکلیف سے بچالیا جو اُسے اس کالے حبشی کو کعبہ کی چھت پر دیکھکر ہوتی" (زرقانی شرح مواہب جلد ثانی صفحہ ۱۱)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں سے باہر آئے تو آپنے اُس تمام مجمع کو مخاطب کیا جو باہر جمع ہو رہا تھا اور فرمایا یا معشر قریش ما ترون انی فاعل فیکم یعنی "اے قریش کی جماعت تمھارے خیال میں مجھے اب تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے" اُنھوں نے جواب دیا خیراً اخ کریم وابن اخ کریم۔ "اے فیاض بھائی اور اے فیاض بھائی کے بیٹے آپ ہم سے نیک سلوک کریں گے"۔ طبری بیان کرتا ہے کہ یہ لفظ سُنکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور حضور نے فرمایا فانی اقول کما قال اخی یوسف لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین اذھبوا فانتم الطلقاء۔ یعنی "میں تم سے وہی کہونگا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی آج میں تم کو ملامت نہیں کرونگا خدائے تعالیٰ تمھیں معاف فرمائیگا وہی سب سے زیادہ رحیم ہے۔ جاؤ تم آزاد ہو"۔

دنیا کی تاریخ دیکھتے جاؤ۔ بڑے بڑے لوگوں کی سوانح پر گہری نظر ڈالو۔ سارے

جہان کے واقعات میں اسکی کوئی نظیر تلاش کرو تو بھی قطعاً کوئی ایسی مثال نہیں ملیگی یہ کیوں؟ محض اس لیئے کہ مسلمانوں کا نبی جیسا کہ کسی ایک قوم کیلیئے مامور نہیں ہوا تھا بلکہ وہ خاتم النبیین اور سردار انبیاء تھا اسی طرح اسکے اخلاق بھی بے نظیر اور بے مثال تھے وہ کامل انسان تھا اسکے اخلاق بھی کامل تھے جسطرح اسکا بھیجنے والا خدا وحدہٗ لاشریک ہے اسی طرح وہ بھی عبد تو تھا لیکن بے مثل۔ غرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی اصلی حالت معلوم کرنیکے لیئے فتح مکہ اور اسکے متعلق جو واقعات ہیں انپر غور کرنا ہی کافی ہے۔ آپنے کمال عالی حوصلگی فیاضی اور فراخدلی سے کام لیکر اپنے گنہگار ظالم جانی دشمنوں کو بالکل معاف کردیا اور دشمن بھی وہ جنہوں نے آپ کو اور آپکے متبعین کو نہایت بے رحمی سے ایذا پہنچائی اور گھر سے بے گھر کیا۔ جنہوں نے بے گناہ مردوں اور عورتوں پر انواع و اقسام کے جور وستم کا ارتکاب کیا اور آپ کی اور آپکے ہمراہیوں کی جانیں لینے کا قصد کر لیا۔ پھر جن لوگوں نے زندہ تو درکنار بے جان مُردوں کی لاشوں کی بے حرمتی کرکے انسانیت کے نام پر بٹا لگایا۔ جنکے اکسانے سے عرب کی جنگلی اقوام.... مدینہ کی چھوٹی سی مسلمان بستی کے نیست ونابود کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ جو متواتر بے شمار لشکر سے مدینہ پر محض ان ارادوں سے حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں کو کچل کر زمین سے ملادیں غرضیکہ ایسے دشمنوں کو جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو تباہ کرنیکی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا جو اپنے قاتلانہ جرائم کی وجہ سے اس قابل تھے کہ انکو جان سے ماردیا جاتا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل معاف کردیا اور انکو یوسف کے بھائیوں سے مشابہت دیکر انکے تمام گذشتہ گناہوں پر قلم معافی کھینچ دی۔ یہ یوسف بھی ایسا تھا۔ جس کا باطنی حُسن ظاہری خوبروئی سے کہیں بڑھ چڑھکر تھا۔

آجائیں کہیں یثرب کے جو بہوار میں یوسفؑ ✽ پائیں نہ جگہ چشم خریدار میں یوسفؑ
فرمائیں یہ پھر آپ ہی دربار میں یوسفؑ ✽ تھا بیش بہا حُسن کے بازار میں یوسفؑ
پر ہو نہ سکا سنگ ترازوئے محمدؐ

؎ حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ویدِ بیضا داری ❊ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معترضین کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں جو فتح مکّہ کے واقعات سے لگّا کھا سکتی ہو...... جو نمونہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ نے دکھایا ہے اُسکا دوسرا ملنا محال و مشکل اور ناممکن ہے۔ اِنَّ اللہَ وَ ملٰئکتہٗ یصلّون علی النبی یاَیُّھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما۔

فتح مکّہ کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر سٹینلی لین پول فرماتے ہیں۔ "آپنے قریش کو بڑی فراخدلی سے معاف فرما دیا اور برسوں کا دُکھ (جو قریش کے ہاتھوں اُٹھانا پڑا تھا) اور زمانہ نفرت (جسکا برتاؤ اُنکی طرف سے ہوا تھا) سب کچھ بھلا دیا اور تمام مکّہ والوں کی جان بخشی کردی صرف چار شخصوں کو جو واقعی قتل کیئے جانیکے مستحق تھے سزائے موت دیگئی۔ لشکر یوں نے بھی آپکی پیروی کی اور چپ چاپ امن و امان سے داخلِ شہر ہوئے..... اِسطرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دوبارہ اپنے وطن مالوف میں داخل ہوئے۔ تمام عالم کی تاریخ میں ایسی مثال نظر نہیں آتی جہاں کوئی (فاتح) اس عظیم الشان) کامیابی سے داخل شہر ہوا ہو" سر ولیم میور صاحب جیسا متعصب عیسائی بھی اس موقعہ پر مجبوراً کہتا ہے کہ "جس فراخدلی سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُس قوم سے سلوک کیا جو عرصہ دراز تک آپسے متنفر رہی اور جس نے آپکو رد کیا وہ فراخدلی ہر قسم کی تعریف کی مستحق ہے"۔

چند آدمی جنکے دلوں میں اُنکے ناقابلِ عفو جرائم کھٹک رہے تھے شہر سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اُنکی خطائیں بھی معاف کردی گئیں اور وہ اپنے گھروں کو امن سے واپس آگئے۔ ان بھگوڑوں میں عکرمہ بن ابوجہل بھی تھا جو ساحل سمندر کی طرف بھاگ گیا تاکہ وہاں سے جہاز میں سوار ہوکر ملک یمن میں چلا جائے۔* عکرمہ کی بیوی

*حاشیہ۔ لکھا ہے کہ جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوا تو ایک سخت تیز ہوا چلنی شروع ہوگئی اور خوف تھا کہ کشتی ڈوب جائے۔ اُسوقت عکرمہ نے لات و عزّیٰ کو پکارنا شروع کیا۔

اُمّ حکیم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوئی اور کہا۔ "اے خدا کے رسول عکرمہ قتل کے خوف سے یمن کی طرف بھاگ گیا ہے۔ مَیں حضور سے اسلیئے درخواست کرتی ہوں کہ اُسکو معاف فرمایا جائے" آنحضرت صلعم نے جواب دیا ھو اٰمن یعنی اُسکو امن دیا جاتا ہے۔ یہ حکم پاکر امّ حکیم اپنے بھگوڑے خاوند کی تلاش میں روانہ ہوئی اور جب وہ عکرمہ سے ملی تو اُس سے کہا۔ "اے میرے چچا کے بیٹے مَیں اُس شخص کی طرف سے آئی ہوں جو نہایت ہی مہربان۔ عالی حوصلہ اور انسانوں میں سب سے بہتر آدمی ہے۔ اسلیئے تم اپنے تئیں تباہ نہ کرو میں نبی کریم (صلعم) سے تمہارے لیئے معافی لے کر آئی ہوں۔ جب عکرمہ واپس مکّہ آگیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا لا تسبوا اباہ فان سب المیت یؤذی الحی یعنی اُس کے باپ ابوجہل کی نسبت کوئی سخت لفظ استعمال نہ کیا جائے کیونکہ مردوں کو بُرا بھلا کہنے سے زندوں کو دکھ پہنچتا ہے (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۳۷۶)

ان بھاگنے والوں میں ایک شخص ھبار بھی تھا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر بے رحمی سے حملہ کیا تھا جبکہ وہ مکّہ سے ہجرت

بقیہ حاشیہ۔ اسپر اہل سفینہ نے کہا اسوقت صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ تمہارے دیوتے اس جگہ کوئی مدد نہیں دے سکتے۔ عکرمہ نے کہا لئن لم ینجنی من البحر الا الاخلاص لا ینجینی فی البر غیرہ۔ یعنی اگر ہمارے دیوتے دریا میں غرق ہونے سے ہمیں نہیں بچاسکتے اور یہاں صرف ایک خدا کو پکارنا مفید ہوسکتا ہے تو خشکی پر بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود امداد نہیں دے سکتا اور پھر غرق ہونیکے خوف سے گھبراکر خدائے تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ "اے اللہ۔ اگر تُو نے مجھے یہاں سے نجات دیدی تو مَیں اسوقت عہد کرتا ہوں کہ میں سیدھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤنگا۔ اور اپنے ہاتھ کو اُسکے ہاتھ میں رکھکر توبہ کروں گا اور مَیں اُمید کرتا ہوں کہ وہ مجھے میری خطائیں معاف کردیگا کیونکہ وہ درگذر کرنیوالا۔ رحیم اور کریم انسان ہے۔ (ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب جلد ثانی صفحہ ۳۷۶)

کیئے جا رہی تھیں۔ انکے وضع حمل کے ایام قریب تھے اور وہ اونٹ پر سوار تھیں ھبار نے بھالے کے ساتھ دھکا دیکر زمین پر گرا دیا۔ جس سے انکا حمل گر گیا اور آخر اسی صدمہ سے وہ جہان بحق ہو گئیں۔ اب ھبار مکہ سے بھاگ کر چند روز تو غائب رہا لیکن پھر واپس آکر اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پر چھوڑ دیا اور عرض کی "میں آپ سے بھاگ کر دوسرے ملکوں میں گیا اور میرا ارادہ تھا کہ عجمیوں سے جا ملتا لیکن مجھے آپکا رحم۔ فیاضی۔ اور گنہگاروں کو معافی دینا یاد آگیا (پس) اے نبی اللہ ہم بت پرست تھے خدا نے آپکے ذریعہ سے ہمیں راہ راست دکھایا اور تباہی سے بچایا۔ پس آپ میری بیوقوفی پر درگذر فرمایئے اور جو تکلیف میں آپ کو دیتا رہا ہوں اُسے معاف کیجئے۔ میں اپنی بداعمالی کا اقرار اور اپنے گناہ کو تسلیم کرتا ہوں" اسپر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو فوراً معافی دیدی۔ اگرچہ اُسکا گناہ خطرناک اور جرم سنگین تھا لیکن چونکہ یہ جرم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی تھا اسلیئے آپنے بلا کسی شرط کے اُسکو معافی دیدی (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۳۷۷)

فتح مکہ کے بعد جو شخص مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اُنمیں وحشی بھی تھا۔ یہ وہی حبشی غلام تھا جسکو ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عمّ رسول کے قتل پر مامور کیا تھا۔ یہ شخص مکہ سے طائف کو چلا گیا۔ اور جب طائف سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایک وفد حاضر ہوا تو وحشی نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور جھٹ اس وفد میں شامل ہو گیا اُسکو یقین تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سفیروں کی بڑی عزت کرتے ہیں اسلیئے کسی قسم کا خوف نہیں۔ جب نبی کریم صلعم نے وحشی کو وفد میں دیکھا تو فرمایا "کیا تم وحشی ہو" اس نے جواب دیا "ہاں حضور میں ہی ہوں" آنحضرت نے پھر پوچھا "کیا تُو نے حمزہ کو شہید کیا تھا" اُس نے کہا "جی ہاں آپ ٹھیک فرماتے ہیں"۔ اگرچہ نبی کریم نے اپنے پیارے چچا کے قاتل کو معاف کر دیا لیکن آپکے رنج کی یہ کیفیت تھی کہ اُسکو دیکھنے سے آپ کو بہت زیادہ دکھ پہنچتا تھا پس آپنے وحشی کو ارشاد فرمایا غیّب وجھك عنی یعنی تم کو معاف کیا جاتا ہے مگر میرے

سامنے نہ آیا کرو۔ (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۲۷۷)

اس حبشی غلام کی کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے لوگوں کے دلوں پر کیسا قبضہ حاصل کیا ہوا تھا اور کس طرح سے وہ لوگ جو کل خطرناک دشمن تھے آج سچے دوست ہو گئے حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ ایک روائیت نقل فرماتے ہیں جسمیں وحشی بیان کرتا ہے "جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور مسیلمہ کذاب نے دعوٰی کیا تو میں نے دلمیں کہا کہ میں مسیلمہ کے پاس جاؤں شائد میں اُسے قتل کر سکوں اور اسطرح حمزہ رضی اللہ عنہ کے خون کا کچھ کفارہ ہو جائے" آگے چلکر وحشی وہ تمام حالت بتلاتا ہے کہ کس طرح اُس نے اپنی برچھی سے کذاب مسیلمہ کو ہلاک کیا اور کسطرح اُس کا وار ہونیکے بعد ایک صحابی نے کود کر مسیلمہ کا سر کاٹا تھا جبکہ ایک لڑکی نے ایک کوٹھے کی چھت پر سے چلا کر کہا "اے امیر المومنین یہ غلام ہے جس نے اُسے قتل کیا ہے" پس وحشی کی خواہش سے کہ کسی طرح حمزہؓ کے خون کا کفارہ ہو جائے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان ہو گیا تھا۔

اور تو اور ابو سفیان کی بیوی ہندہ کو بھی جس نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل کو چبایا تھا اور آپکے کان اور بینی کاٹکر گلے میں بطور ہار پرو کر پہنے تھے رحم مجسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔ وہ اور عورتوں میں شامل ہو کر اور چہرہ پر نقاب ڈالکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مقام ابطح پر حاضر ہوئی اور کہا "سب تعریف کے لائق اللہ تعالٰی ہے جس نے اپنے دین کو جو اُس نے پسند کیا غلبہ دیا ہے۔ تحقیق آپکے رحم سے مجھے بھی حصہ ملیگا۔ میں ایک عورت ہوں جو اللہ تعالٰی پر ایمان رکھتی ہے اور اُسکی ذات کی مصدق ہوں یہ کہکر اُس نے اپنے چہرہ پر سے نقاب اُٹھا دیا اور کہا "میں عتبہ کی بیٹی ہندہ ہوں" یہ دیکھکر آنحضرت صلعم نے فرمایا "خوش آمدید" اسطرح ہندہ کو جو کسی وقت اسلام کی نہایت خطرناک دشمن تھی بالکل معاف کر دیا گیا (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۲۷۷) روایت ہے کہ ہندہ خواب میں دیکھا کرتی تھی کہ وہ دھوپ میں کھڑی ہے اور سایہ اگرچہ اُسکے قریب ہی ہے تاہم وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی لیکن جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو اُس نے دیکھا کہ وہ دھوپ سے سایہ میں آگئی۔

آخر وہی ہوا اور ہندہ کو اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میسر آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی کا ہندہ پر اسقدر اثر ہوا کہ اُس نے آپسے کہا کہ صفحہ دنیا پر کوئی ایسا خاندان تھا جس سے مجھے اسقدر نفرت نہیں جتنی آپ کے کنبہ سے تھی لیکن آج اگر مجھے کوئی گھرانا پیارا ہے تو آپ کا ہے"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کی بیٹی ام ہانی آپکے پاس آئی اور درخواست کی کہ دو آدمیوں نے میرے گھر میں پناہ لی ہے اُنہیں معاف فرما دیا جائے۔ آپ اُس سے بڑی مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی یعنی جسکو تم پناہ دیتی ہوئیں بھی اُسکو پناہ دیتا ہوں۔ (زرقانی جلد ثانی صفحہ ۳۹)

منصف ناظرین۔ اگر آپ ان رحیمانہ کارروائیوں پر نظر ڈالیں تو آپ پر بہت سے امور کا انکشاف ہوگا۔ اور آپکو اس سوال کا جواب خود بخود مل جائیگا کہ آیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی یا آپکے دشمنوں نے ابتدا کی تھی۔ کوئی سمجھدار آدمی اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ شخص جو اپنے سخت سے سخت دشمنوں پر رحیم اور ظالم بے رحم اعدا پر شفیق تھا اُس سے یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ جنگ و جدل میں سبقت کرتا۔ پھر جو شخص فتح کے بعد جبکہ ہر ایک دشمن اُسکے قبضہ میں تھا اس بات کا خواہشمند تھا کہ مکہ کے ہر فرد بشر کو معاف کردے بھلا اُسکی نسبت یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اُس نے اپنے اہل شہر اور ہموطنوں کے خلاف بلا مجبوری تلوار اُٹھائی اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب صافی کی اصل کیفیت معلوم کریں یا یہ دریافت کریں کہ آپکو اپنے وطن سے کیسی محبت تھی اور یہ کہ آپنے کن حالات کے ماتحت ہجرت فرمائی تھی تو آپ ذیل کے الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد فرمائے تھے جبکہ آپ برسوں کے دکھ اور تکالیف جھیل کر اور وطن سے بیوطن ہوکر دوبارہ بطور فاتح داخل شہر ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں "تو میرے لیئے روئے زمین پر سب سے زیادہ پیارا اور دل پسند مقام ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے نکال نہ پھینکتے تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا" (لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ ولیم میور)

جب انصار مدینہ نے یہ دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زاد بوم سے پرلے درجہ کا اُنس ہے وہاں کے باشندوں پر آپ بہت ہی مہربان ہیں اور آپنے اپنی فیاضی اور فراخدلی سے ثابت کر دیا ہے کہ آپکو اہل مکہ سے سخت محبت اور پیار ہے۔ تو انکو اندیشہ پیدا ہوا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیۃ العمر مکہ میں ہی گذاریں اور اُن لوگوں کے قرب میں رہیں جو آنکے ہموطن ہیں اور جن سے آپنے بڑی دریا دلی اور فیاضی کا برتاؤ کیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اپنے شہر سے محبت تھی اور اگر آپ اپنی قوم پر بے انتہا مہربان تھے تو ساتھ ہی ایسے محسن انسان سے یہ کہاں ہو سکتا تھا کہ اُن لوگوں کو فراموش کر دیتے جنہوں نے مصیبت کے وقت آپ اور آپکے صحابہؓ کو پناہ دی تھی اور جن کا تعلق اور قربانی ایسی نہ تھی کہ جسے نظر انداز کیا جاتا۔ آنحضرت صلعم کو وہ وقت خوب یاد تھا جب آپ اور آپکے صحابہؓ کو مکہ والوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہجرت کرنی پڑی تھی اور ایسے اڑے وقت اہل مدینہ نے آپ کو اپنے ہاں جگہ دی تھی۔ پناہ کیا دی تھی گویا عرب کی دشمنی کو مول لیا تھا پس آپنے اس خوشی اور کامیابی کے وقت مدینہ والوں کو نہیں بھلایا آپنے اہل مدینہ کو یقین دلایا کہ میں انصار کے شہر کو کبھی نہیں چھوڑونگا اور فرمایا المحیا محیاکم والممات مماتکم یعنی میرا جینا بھی تمہارے ساتھ ہوگا اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ اگر اب بھی کسی کو اسمیں شبہ ہو کہ آیا قریش کی زیادتی تھی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اُسے چاہیئے کہ ان الفاظ پر غور کرے جو آنحضرت صلعم نے کعبہ کے صحن میں قریش کے مجمع کو مخاطب کر کے فرمائے تھے جو یہ ہیں یا معشر قریش ماترون انی فاعل فیکم (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۹) "اے جماعت قریش! تم ہی بتاؤ میں تمہارے بارے میں کیا کروں" بھلا ان الفاظ سے کیا مترشح ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسا فرمانے سے کیا مراد تھی؟ یہ الفاظ صاف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زیادتی قریش کی تھی اور اپنے جرائم کی پاداش میں وہ مستوجب سزا تھے۔ ہمارے اس خیال کی تائید خود قریش کا جواب کرتا ہے جو یہ تھا "اے فیاض بھائی اور فیاض بھائی کے بیٹے! آپ ہم سے نیک سلوک کریں"

وہ صریحاً اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں اور آنحضرت صلعم کے رحم اور مہربانی پر اپنے آپ کو چھوڑتے ہیں۔ اُنہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم مظلوم ہیں بلکہ ابتدا سے اخیر تک جو ظالمانہ افعال اُنسے سرزد ہوئے وہ اُنپر نادم اور رحم کے خواستگار ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "فیاض بھائی اور فیاض بھائی کا بیٹا" کہکر پکارتے ہیں۔ اور ملاحظہ فرمائیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی کا اعلان کیا تو اپنے تئیں حضرت یوسف علیہ السلام سے اور قریش کو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے مشابہت دی۔ اگر زیادتی کا ذرا سا الزام بھی آپ پر آسکتا تو آپ کس طرح سے اپنے تئیں یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دے سکتے تھے آپنے جو مثال دی وہ بعینہ ہر طرح سے آپ اور قریش پر صادق آتی تھی جسطرح یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت موصوف پر زیادتی کی تھی اور آپکو نیست ونابود کرنا چاہا تھا اسی طرح قریش نے بھی آنحضرت صلعم پر زیادتی کی تھی اور آپکو تباہ وبرباد کرنا چاہا تھا۔ لیکن اسکے مقابل جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی بدی کا جواب نیکی اور معافی سے دیا تھا اسی طرح آنحضرت صلعم نے بھی قریش کے مظالم اور بیرحمیوں کا جواب۔ فیاضی۔ فراخدلی۔ مہربانی اور عام معافی سے دیا۔

مکّہ والوں کو بلا کسی شرط و شرائط کے معاف کر دینے سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اہل اسلام نے لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کیلئے تلوار نہیں اُٹھائی۔ حضرت نبی کریم صلعم نے قریش کو معاف کرتے وقت جو کچھ فرمایا وہ یہی تھا کہ "میں تم سے وہی کچھ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا" یعنی یہ کہ میں آج تمکو ملامت نہیں کرونگا۔ خدا تعالیٰ تمکو معاف کریگا وہ ارحم الراحمین ہے اذهبوا فانتم الطلقاء جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو۔ آپنے اس معافی کے ساتھ اسلام لانے کی شرط نہیں لگائی۔ آپنے انکو اسلام قبول کرنیکے بغیر ہی آزادی سے چلے جانیکی اجازت دیدی۔ حالانکہ ابھی تک وہ پہلے کی طرح برابر بُت پرست ہی تھے۔ اگر جنگ کرنے سے آپکی مراد یہی تھی کہ لوگوں کو جبراً مسلمان کریں تو اس سے بڑھکر آپکو اپنی مطلب براری کا اور کونسا موقعہ مل سکتا تھا جبکہ تمام مکّہ والے آپکے مفتوح اور محکوم

تھے اور اگر تلوار اُٹھانے سے آپکی غرض یہ تھی کہ کفار کو نیست و نابود کر دیں تو اب جبکہ کافروں کے پورے کے پورے شہر کی قسمت آپکے ارشاد پر موقوف تھی آپ بآسانی تمام اُنکو تہ تیغ کر سکتے تھے۔ لیکن نہ تو آپنے کسی کو اس شرط پر رہائی دی کہ وہ مسلمان ہوجائے اور نہ ہی اُنہیں سے کسی کو کفر کے بدلے قتل کیا۔ بلکہ برعکس اسکے آپنے مکّہ کے بُت پرستوں کو فرمایا "جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو"۔ بے کس لوگوں کو جبراً مسلمان کرنے یا کفر کے لیئے قتل کرنے کا خیال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عالی حوصلہ انسان کے نزدیک بھی نہیں آسکتا تھا کیونکہ آپ کی شان ایسے کینہ خیال سے پاک تھی۔ آہ۔ افسوس کہ متعصب عیسائیوں اور اُنکے ہمرنگ لوگوں نے اس عالی حوصلہ۔ فراخدل۔ فیاض اور رحم مجسم انسان کے ساتھ سخت بے انصافی کا برتاؤ کیا ہے اور مذہبی تعصب سے اندھے ہو کر اُس شرافت قلبی پر نظر نہیں ڈالی جو بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت میں سمائی ہوئی تھی۔ بلکہ اُلٹا آپ پر یہ الزام لگایا ہے کہ آپکے غزوات کی معاذ اللہ یہ غرض تھی کہ لوگوں کو جبراً اپنے دین میں داخل کریں جائے تعجب ہے کہ مٹھی بھر آدمی اور بے شمار دشمنوں کا مقابلہ اور وہ بھی بصد مشکل کرتے ہیں تاہم کہا جاتا ہے کہ یہ ان بے شمار لوگوں کو جبراً اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ غریب جان بچانیکے لیئے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور یہاں اُنکو جبر اور زیادتی کا الزام دیا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت کے خلاف ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہوئے تھے۔ اور یہ مجبوری اُسوقت تک برابر جاری رہی جبتک قریش میں طاقت تھی لیکن جب اُنکی طاقت ٹوٹ گئی اور کسی قسم کی مجبوری نہ رہی تو آپنے فوراً حکم دیدیا کہ تلواریں میان میں کر لی جائیں اور دشمنوں کی بھی جان بخشی کیجائے۔

اب ایک طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حُسن سلوک ملاحظہ فرمائیں جو آپنے اپنے جانی دشمنوں سے کیا اور دوسری طرف مدمقابل کے ظلم و ستم کو دیکھیں جو انہوں نے آنحضرت صلعم اور آپکے صحابہؓ پر توڑے۔ جب دشمن آپکے اختیار میں تھے تو آپنے اُن سب کو بلا کسی شرط کے معاف فرما دیا اور کسی سے یہ نہیں کہا کہ اُسوقت

تک معاف نہیں کیا جائیگا جبتک اسلام نہ لاؤ گے۔ پس اس طرح آپنے ظاہر فرما دیا کہ اگر آپ نے قریش سے جنگ کی تھی تو وہ سخت مجبوری کے بعد کی تھی ورنہ حاشا وکلا آپ کا یہ منشا نہ تھا کہ لوگوں کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے۔ یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کیا تھا جب کبھی کوئی اکا دکا مسلمان یا مسلمانوں کی کوئی چھوٹی سی جماعت انکے ہاتھ پڑ گئی تو انہوں نے یا انکے مددگاروں نے یا تو نہایت بیرحمی سے بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر دیا یا طرح طرح کی ایذا دیکر ارتداد پر مجبور کیا۔ اب جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک یہ بتلاتا ہے کہ آپنے جو کچھ کیا اشد مجبوری سے کیا اسی طرح آپکے دشمنوں کا طرز عمل صاف اس بات پر دال ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے سے کفار کا اسکے سوا اور کوئی منشا نہ تھا کہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو تباہ کر دیں اور اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں کیا ہمارے معترضین ان ہر دو نتائج سے فائدہ اٹھائیں گے؟ کوئی لاکھ چھپائے اور کتنا پردہ ڈالے آخر سچائی اپنی جھلک ضرور ہی دکھاتی ہے اور حق پوشی کا مجرم آخر شرمندہ و ذلیل ہو کر کبھی کبھی خود ہی اقرار بھی کر بیٹھتا ہے چنانچہ اس امر کے متعلق کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو مذہب کے معاملہ میں پوری آزادی دیدی تھی سر ولیم میور صاحب (خلاف مرضی) یہ لکھتے ہیں "اگرچہ شہر (مکہ) نے بڑی خوشی سے آپکی حکومت تسلیم کر لی تھی (لیکن) عام باشندوں نے تا حال نئے مذہب کو اختیار نہیں کیا تھا اور نہ ہی آپکے دعوی نبوت کی کھلے طور پر تصدیق کی تھی شاید آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں بھی وہی طرز اختیار کرنا چاہتے تھے جو آپنے مدینہ میں اختیار کیا تھا یعنی مذہب کے اختیار کرنے میں شہر والوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا" ملاحظہ ہو لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۴۰۴ گو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو دین کے معاملات میں پوری آزادی دے رکھی تھی تاہم انہوں نے بڑی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلعم صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں نے فوج در فوج حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور آپنے ہر ایک سے یہ معاہدہ لیا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی پرستش نہ کرینگے۔ چوری نہ کرینگے زنا اور بچہ کشی سے باز رہیں گے۔ جھوٹ سے بچیں گے۔ عورتوں کی عزت

کرینگے"۔ غرض مکہ والے اس سرعت سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے کہ دو ہفتہ کے اندر دو ہزار نومسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر جان لڑانے کو حاضر تھے۔ مزید براں ان لوگوں نے اسلام قبول بھی کیا تو ایسی مضبوطی اور صدق سے کہ مدینہ کی طرح مکہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔ اور نہ ہی مکہ والوں میں سے کوئی شخص اُس بغاوت میں شامل ہوا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد وقوع میں آئی تھی۔

ہم اپنے ناظرین کو مذکورہ بالا واقعات پر غور کرنے کیلئے یہیں چھوڑتے ہیں اور انشاء اللہ اگلی پرچہ میں بشرط زندگی اپنے پیارے نبی ہاں خدا کے حبیب علیہ الف الف سلام کے ایک عظیم الشان معجزہ کا ذکر کرینگے۔

اسرائیل کی گم شدہ بھیڑیں

اس رسالہ میں اکثر اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ افغان اور کشمیری دراصل بنی اسرائیل کی گم گشتہ اقوام میں سے ہیں۔ ہمارے ناظرین میں سے جو صاحب اس بارہ میں ہماری دلائل کو ملاحظہ کرنا چاہیں وہ ریویو اُردو انگریزی بابت ماہ جون ۱۹۰۲ء پڑھ لیں۔ بنی اسرائیل کی ان قوموں کا مشرق میں موجود ہونا ہی ہمارے اس دعویٰ کی تائید کرتا ہے کہ یسوع مسیح کا مقبرہ کشمیر سری نگر محلہ خانیار میں ہے۔ بنی اسرائیل کی سب قوموں کو مسیحؑ کے نزول کا وعدہ دیا گیا تھا اسلیئے وہ اسرائیلی قومیں جو مشرق میں رہتی تھیں مسیحؑ کے دیدار کی ویسی ہی بلکہ اُسی قدر مستحق تھیں جیسا کہ شام میں رہنے والے بنی اسرائیل تھے بلکہ یوں کہو کہ اول الذکر کا استحقاق آخر الذکر کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ کیونکہ وہ دس قوموں کے جانشین تھے اور یہ صرف دو قبیلے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے تو فرمایا تھا کہ "مَیں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" متی ۱۵-۲۴۔ پس اگر آپ اپنی نگرانی اُنھی بھیڑوں تک محدود رکھتے جو ملک شام میں آباد تھیں اور گلّے کے اُس بڑے حصّہ کا قطعاً خیال نہ کرتے جو دوسرے ممالک کی طرف چلا گیا تھا جسکی نسبت زیادہ خطرہ تھا کہ کہیں اُسے بھیڑیے نہ کھا جائیں

تو یہ کیونکر کہا جاسکتا کہ آپ نے اپنے فرض کو ادا کیا۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی لعنتی موت سے بچکا اور اپنے شام کے اکثر شاگردوں کو الوداعی سلام دیکر ان بھیڑوں کی تلاش میں روانہ ہوئے جو اپنے اصل وطن سے دُور نکل گئی تھیں۔ خدائی ہاتھ نے اُن کی رہنمائی کی اور آخر اُنکو وہ کھوئی ہوئی بھیڑیں مل گئیں یعنی حضرت مسیح علیہ السلام مشرقی اسرائیلیوں کے پاس پہنچ گئے جسکا یہ ثبوت ہے کہ ابتک ان مشرقی اسرائیلیوں یعنی کشمیریوں کے درمیان ایک مقبرہ موجود ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کی قبر ہے جو کہ ۱۹۰۰ برس کا عرصہ ہوا ایک مغربی ملک سے ادھر تشریف لائے تھے۔ اگر کوئی دریافت کرے کہ اس نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کے متعلق کیا ثبوت ہے کہ یہ وہی یسوع ناصری ہیں تو ہمارے وہ دلائل ملاحظہ کرے جو اس میگزین میں وقتاً فوقتاً ذکر کیے گئے ہیں۔

البتہ یہاں ہم ایک اور شہادت پیش کرتے ہیں جو ہمارے دعاوی کی تائید کرتی ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ شہادت کوئی لفظی یا کتابی نہیں بلکہ ایک زندہ شہادت ہے یعنی ہندوستان کے ساحل پر ایک قوم رہتی ہے جو اپنے تئیں بنی اسرائیل میں سے بتاتے ہیں وہ اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذہب کی پیروی کا ادّعا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ عرب۔ شام یا کسی مغربی ملک سے نہیں آئے بلکہ شمال کی طرف سے آئے تھے اور وہ شمالی ملک ظاہر ہے کہ سوائے کشمیر اور افغانستان کے اور کوئی نہیں ہوسکتا جس سے بنی اسرائیل کا کوئی تعلق ہو۔ اسطرح ہمکو بنی اسرائیل کی گم گشتہ اقوام کے ایک ایسے جزو کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے ابھی تک اپنے دوسرے بھائیوں یعنی افغانوں اور کشمیریوں کی طرح اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا بلکہ تاحال پُرانے عبرانی مذہب کے کچھ نہ کچھ حصے پر قائم چلے جاتے ہیں اور بڑی شدّ و مدّ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل کے ایک بہت قدیمی کنبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب لوگ ساحل مالابار پر آباد ہیں اور انہیں سے ایک صاحب نے ریویو میں کشمیریوں اور افغانوں کے متعلق مضمون پڑھکر ازراہ مہربانی ہمارے پاس ایک کتاب بھیجی ہے جسمیں ان لوگوں کے حالات درج ہیں۔ اس کتاب کے مصنف

ﻋ اور [illegible]

ایک ہندوستانی پادری صاحب ہیں - اور اس کا نام ہے "یہود ہندوستان و مشرق بعیدمیں" احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل کی آبادی تخمیناً دس ہزار ہے یہ لوگ ابتدا میں سیدھے سادھے دیہاتی آدمیوں کی طرح تھے اور بمبئی کے جنوب مشرقی علاقجات میں مختلف جگہ آباد ہو گئے تھے ان کا خاص پیشہ تیل نکالنا تھا جس سے اُنکا نام شنوار تیلی یا سینچر وار کے تیلی پڑ گیا۔ یعنی وہ تیلی جو سینچر یعنی ہفتہ کے دن کو متبرک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ تیل نکالنے کے علاوہ اور اور کام بھی کرتے تھے اور انہیں سے بہت کھیتی باڑی دکانداری۔ دست کاری خصوصاً بڑھئی کا کام وغیرہ کرتے تھے چنانچہ ابتک بھی بعض انہیں سے کام کیئے جاتے ہیں۔ لیکن انگریزی راج کے آنے سے ان لوگوں پر بھی ایک تغیر واقع ہوا۔ اور چند سال سے وہ بمبئی احاطہ کے بڑے بڑے شہروں مثلاً پونا۔ تھانہ۔ کراچی۔ احمد آباد اور دہاردار وغیرہ میں کثرت سے آپہنچے ہیں اور اب بہت تھوڑے آدمی اپنے پرانے دیہاتی گھروں میں پائے جاتے ہیں جو ملتے ہیں وہ برابر وہی پرانا کام کرتے ہیں ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں بہت سے بہادر سپاہی اس قوم میں سے بھرتی کیئے گئے تھے۔ میسور کی دوسری لڑائی میں جو ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک رہی چند بنی اسرائیل جو کمپنی کے ملازم تھے سلطان ٹیپو کی فوج کے ہاتھ قید ہو گئے لیکن سلطان کی والدہ کو جب اُنکا بنی اسرائیل ہونا معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ " ان لوگوں پر رحم کرو کیونکہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کا بہت ذکر ہے اور ہندوستان میں اس سے پہلے ان لوگوں کو دیکھنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا " پس سلطان نے ان قیدیوں کو رہا کر دیا۔

جب سے ان لوگوں کی نسبت اہل یورپ کو توجہ ہوئی ہے اُسی وقت سے یہ برابر اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ اُنکو یہودی کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ بنی اسرائیل کے صحیح اور اصلی نام سے پکارا جائے۔ ہمیں اپنے ناظرین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ بنی اسرائیل عبرانی لفظ ہے اور اسکے معنے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور بروئے تاریخ بنی اسرائیل کا لفظ یہودی کے لفظ کی نسبت پرانا ہے پس اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ اُن دو قوموں میں سے نہیں جو عموماً یہودی کہلاتی ہیں بلکہ ان دس قوموں میں

سے کسی ایک کی شاخ ہیں جو گم گشتہ تھیں اور جنکو یسوع مسیح نے کھوئی ہوئی بھیڑوں سے تعبیر کیا تھا۔

ان بمبئی والے بنی اسرائیل میں اب تو پرانے عہد نامہ کے قریباً تمام نام مروج ہیں لیکن کہتے ہیں کہ قبل ازیں مردوں میں یہوداہ اور عورتوں میں آستر کا نام نہیں رکھا جاتا تھا حالانکہ آجکل کے یہودیوں میں یہی دو نام عموماً بڑے فخر سے اور کثرت کے ساتھ رکھے جاتے ہیں۔ البتہ جو نام ان لوگوں میں کثرت سے رکھا جاتا تھا وہ روبن٭ تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسرائیلی ناموں میں کسی قدر تغیر کرکے انکو ہندی ناموں کے مشابہ بنا دیا گیا ہے جنکی چند مثالیں ذیل میں دیجاتی ہیں۔ بیناجی (بن یامین) موسیٰ جی (موسیٰ) آباجی (ابراہیم) ہاروجی (ہارون) ڈوُدجی (داؤد) اسوب جی (یوسف) الیوجی (الیاس) وغیرہ اگرچہ ان ہندی ناموں کو اب ترک کیا جا رہا ہے تاہم دیہات میں عموماً ابھی تک بدستور یہی نام ہیں۔ کہتے ہیں کہ علاوہ انکے بعض خالص ہندی نام بھی تھے جو مردوں اور عورتوں میں برابر رکھے جاتے تھے۔

چونکہ امتداد زمانہ اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتا اور جیسا دیس ویسا ہی بھیس ہوتا ہے اسلیئے افغانوں اور کشمیریوں کی طرح بمبئی کے بنی اسرائیل نے بھی نہ صرف اپنے پرانے رسوم کو فراموش کیا ہے بلکہ مذہب سے بھی ناواقف ہوگئے ہیں۔ انکو افغانوں و کشمیریوں کی طرح عبرانی زبان بھی بھول گئی ہے اگر یاد رہا ہے تو صرف ایک خاص کلمہ ہے۔ جب پہلے پہل اہل یوروپ کو انکی خبر ملی تھی تو انکی حالت یہانتک پہنچگئی تھی کہ اگرچند ایک صریح اور بدیہی شہادتیں نہ ہوتیں تو یہ معلوم کرنا ہی مشکل ہوتا کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کی گم گشتہ اقوام کی ایک چھوٹی سی شاخ ہیں۔ جن شہادتوں نے یوروپین محققین کو اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ وہ ختنہ کراتے اور اس رسم کو بچپن میں بجالاتے۔

دوم۔ ہفتہ کا دن انکے ہاں مقدس دن ہوتا۔

سوم۔ اگرچہ انکے پاس کوئی عبرانی صحیفہ یا کسی قسم کی کتاب نہ تھی تاہم انکو یہودی کلمہ

٭ روبن حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا۔ منہ

شمع یسرائیل یاد تھا جسکے معنے یہ ہیں ولے اسرائیل سُن! خداوند ہمارا خدا واحد ہے
چونکہ ان لوگوں کو اور کسی قسم کے عبادت کے کلمات یاد نہیں رہے تھے اسلیئے روزہ
عید پیدائیش۔ شادی اور غم غرض ہر موقعہ پر وہ یہی کلمہ بار بار پڑھ لیتے۔
چہارم۔ افغانوں کی طرح لمبی لمبی زلفیں چھوڑتے جس کا اسرائیلیوں میں رواج تھا
احبار ۱۹-۲۷۔
پنجم۔ اُنہیں پُشت در پُشت یہ روایت چلی آتی تھی کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہیں۔
ششم۔ وہ اُدرس نس کو جو ران میں بھیتر وارہے نہیں کھاتے جسکا ذکر پیدائیش
باب ۳۲۔ ورس ۳۲ میں ہے ایسا ہی سوئر کا کھانا اُنمیں بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔
اگرچہ یہی شہادتیں ہر ایک شک کے رفع کرنیکے لیئے کافی نہیں تاہم اُنکے علاوہ یہ بھی
معلوم ہوا کہ وہ اُن ایام کے روزہ بھی رکھتے تھے اور بعض وہ تہوار بھی مناتے تھے جو
عبرانی شریعت نے مقرر کیئے تھے۔ گو اجنبی ملک میں آئے ہوئے انکو ایک بڑا عرصہ ہوگیا
تھا تاہم وہ اپنی بعض قومی رسومات کو ادا کرتے تھے البتہ ان کا طرز ادا نرالا تھا۔
رسومات مذہبی سے کماحقہ واقفی نہ ہونیکی وجہ اسکے سوا اور کوئی نہیں معلوم ہوتی
کہ وہ زمانہ نہایت قدیم زمانہ تھا جب اُنکے بزرگوں نے اپنے وطن کو چھوڑا تھا۔ بہت سے ماہر
محققین کا خیال ہے کہ ان بنی اسرائیل کے رسوم و عادات مشنائی* زمانہ کے مطابق ہیں
جو لوگ مشنائی زمانہ کے رسوم و عادات سے واقف نہ ہوں وہ ان بنی اسرائیل کو کفر کے
افعال کا مرتکب سمجھیں گے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل کے رسوم و
رواج میں بعض ایسی رسوم بھی موجود ہیں جو وقتاً فوقتاً بیرونی یہودیوں نے آکر داخل
کرائی ہیں۔ جو رسومات بعد میں داخل ہوئی ہیں اُنکے تو ہندوستانی نام ہیں لیکن
جو پرانی ہیں اُنکے مرہٹی نام ہیں کیونکہ بنی اسرائیل مرہٹوں کے مُلک میں رہنے کے
سبب مرہٹی زبان ہی بولتے ہیں۔ جس کتاب کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے اس کا مصنف

---

*مشنا و طالمود یہود کی متبرک کتابیں ہیں۔ منہ

بنی اسرائیل کی پانچ ایسی رسوم بیان کرتا ہے جنکو ہر جگہ کے یہودی مناتے ہیں۔ اور بمبئی کے بنی اسرائیل میں نہ صرف وہ پُرانی مذہبی رسوم پائی جاتی ہیں جو یہودی ہر جگہ مناتے ہیں بلکہ ان میں ایسی رسوم بھی موجود ہیں جنکا زمانہ حال کے یہود میں قطعاً رواج نہیں ہاں پُرانے عہدنامہ کے قدیم زمانہ میں انکا ضرور پتہ چلتا ہے۔ اور اس طرح یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہندی بنی اسرائیل کسی ایسی قوم کی شاخ ہیں جو نہایت قدیم زمانہ میں گھر سے نکلی تھی۔ ذیل میں ہم چند ایک رسومات درج کرتے ہیں جنکا بمبئی کے بنی اسرائیلیوں میں تو رواج ہے لیکن طالمودی یہودیوں کو قطعاً انکا علم تک نہیں اور وہ یہ ہیں (۱) لوبان کا استعمال۔ نذر کی منت مندرجہ گنتی ۶۔ ۱۸ اُسبجا۔ مالیدہ۔ بکری کے جگر وغیرہ کا استعمال برکت کا جام اور سلامتی کا بوسہ۔ چونکہ عام یہودیوں نے بار بار بنی اسرائیل کو توجہ دلائی تھی کہ لوبان کا استعمال چھوڑ دیں کیونکہ غیر یہودی رسم ہے اسلیئے اب اس رسم کو ترک کردیا گیا ہے گو انہوں نے تو موجودہ یہودیوں کے کہنے سے اس رسم کو ترک کردیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک اور قدیم شاخ کے آدمی کثرت سے مذہبی رسم کے طور پر خوشبو کا استعمال کرتے تھے اس قدیم شاخ سے ہماری مراد چین کے یہودی ہیں جنکی بقیہ تعداد تاحال کائی فنگ فو میں موجود ہے۔ انکے متعلق بھی ایک نہایت عجیب بات بیان کیجاتی ہے وہ یہ کہ ان چینی یہودیوں کے بزرگ ملک چین میں مغرب کی طرف سے داخل ہوئے تھے۔ اب ایک طرف بمبئی کے یہودی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ شمال کیطرف سے آئے تھے اور دوسری طرف چینی یہودیوں کا قول ہے کہ انکے بزرگ مغرب کی طرف سے چین میں داخل ہوئے تھے۔ ان چینیوں اور بمبئی والوں کے اقوال کے ساتھ ہی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بمبئی سے شمال اور چین سے مغرب کی طرف ملک افغانستان و کشمیر واقع ہیں اور افغانستان کے باشندے بڑے زور سے بنی اسرائیل ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ اور اسمیں کلام بھی نہیں کہ انکے اس دعوٰی کے ثبوت میں بہت سی شہادتیں پیش کیجا سکتی ہیں لیکن جو بہت بڑی شہادت انکے اسرائیلی الاصل ہونیکی ملتی ہے وہ نہ تو بمبئی کے بنی اسرائیل اور نہ ہی چین کے یہود میں پائی جاتی ہے بلکہ اگر یہ کہیں تو بے محل ہوگا

کہ کردستان کے یہودی بھی جنکا ذکر مذکورہ بالا کتاب میں کیا گیا ہے اپنی شہادت پیش کرسکیں گے اس شہادت سے ہماری مراد یہ ہے کہ افغانوں کے بہت سے قصبات و شہر انہی ناموں کے ہیں جنکا بیان پرانے عہدنامہ میں ہے اور جو شام کے قدیمی شہر تھے اور تو اور خود دارالسلطنت افغانستان بھی ایک قدیم شامی شہر کے نام پر ہے جو اسلاطین باب ۹۔ ۱۳ میں مذکور ہے اور وہ عبارت اس طرح پر ہے "اور بولا اے میرے بھائی یہ کیا شہر ہیں جو تو نے مجھے دیئے اور اس نے انکا نام کابول کا ملک رکھا جو آج کے دن تک ہے" ہمارے ناظرین قدیم شام کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو اسکے عرض البلد شمالی درجہ ۳۳ دقیقہ ۵۱ اور طول البلد مشرقی درجہ ۳۵ دقیقہ ۱۲ پر کابل کا نام ملیگا۔ غرض اس امر کے بڑے بڑے ثبوت موجود ہیں کہ افغان اور کشمیری اسرائیلی الاصل ہیں۔ عیسائی مشنری صاحبان کو اگر دو باتیں مانع نہ ہوتیں تو وہ اس امر کا ڈنکے کی چوٹ سے اعلان کرتے کہ افغان اور کشمیری دراصل اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں ہیں۔ پہلی بات جو عیسائی واعظ کو حق کے اظہار سے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مذہب اسلام قبول کر لیا ہے اور یہ مذہب ایسا ہے کہ پادری صاحبان اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے دوسری بات یہ ہے کہ اگر افغانوں اور کشمیریوں کو اسرائیلی الاصل مان لیں تو پھر مشرقی ممالک میں اسقدر اسرائیلیوں کی موجودگی اس امر کے ماننے پر مجبور کریگی کہ مسیح صلیب کی موت سے بچکر کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں نکلے تھے اور کشمیر میں جو نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کا قدیم مقبرہ ہے وہ دراصل حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی قبر ہے۔ گویا افغانوں اور کشمیریوں کو اسرائیلی ماننا عیسائیت کی موت ہے۔

بمبئی کے بنی اسرائیل کی پشت در پشت روایت کہ انکے آباواجداد شمالی علاقجات سے آئے تھے اور چین کے اسرائیلیوں کا یہ کہنا کہ انکے بزرگ مغرب کی طرف سے چین میں داخل ہوئے تھے یہ ہر دو امر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لوگ اس بڑی اسرائیلی قوم کی شاخیں ہیں جو کہ افغانستان و کشمیر میں آباد ہے معلوم ہوتا ہے کہ گم گشتہ اسرائیلی اقوام کے بڑے حصے نے جب یہ دیکھا کہ افغانستان و کشمیر انکے اصل وطن شام سے زرخیزی آب و ہوا و

پیداوار کے لحاظ سے مشابہت رکھتے ہیں تو وہ وہیں آباد ہوگئے۔

احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل کے خط وخال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسرائیلی الاصل ہیں اور محققین کا خیال ہے کہ کسی وقت ہندوستانی و اسرائیلی خون میں باہم ملاپ ہوگیا ہے لیکن جہاں پر قیافہ دان یہ کہتے ہیں کہ انہیں دوغلا پن ہے وہیں یہ بھی مسلمہ امر مانتے ہیں کہ وے اسرائیلی النسل ہیں اور انہیں یہودی خون کا اثر ہے۔ یہ میل اور دوغلا پن جو کچھ بھی ہوا پہلے پہلے ہوچکا اب عرصہ بعید سے قطعاً کسی قسم کا خلط ملط واقع نہیں ہوا ہے بلکہ اب تو وہ لوگ ایسے تعلقات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جہاں کہیں ایسا تعلق ہوکر کوئی اولاد ہوجائے تو ایسی اولاد کو وہ خارج از قوم سمجھتے ہیں۔ انہیں ایک ایسی جماعت ہے جنکو وہ 'کالا' اسرائیلی کہتے ہیں۔ کالا لفظ سے یہ مراد نہیں کہ اُنکے رنگ سیاہ ہوتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اسرائیلی باپ اور سیاہ ہندوستانی ماؤں سے پیدا ہوئے ہیں۔ جس کتاب سے ہمنے مذکورہ بالا واقعات لیئے ہیں اُس کا مصنف ایک جگہ لکھتا ہے۔ کہ

"راقم الحروف اُس شہادت سے پورا اتفاق رکھتا ہے جو ایک واقفکار یعنی ڈبلیو۔ ایف سنکلئر آنجہانی سابق سول افسر بمبئی نے دی تھی۔ صاحب موصوف ایک تجربہ کار افسر ضلع تھے۔ ایکدفعہ اُنہوں نے مجھے لکھا کہ 'میری رائے میں بنی اسرائیل اور کالا اسرائیلی ہر دو کے بشرہ سے برابر عبرانی وضع قطع ٹپکتی ہے۔ اور یہ بھی رقم فرمایا تھا کہ' بائیس سال کے عرصہ میں ایک دفعہ کے سوا مجھے کوئی ایسا موقعہ یاد نہیں جب بنی اسرائیل کے کسی شخص کو پہچاننے میں مجھے دقت ہوئی ہو"

عیسائیوں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یہ بمبئی کے بنی اسرائیل مسیح سے کم از کم دو صد سال پہلے ہندوستان میں آباد ہوچکے تھے چنانچہ مسٹر میکن سیموئیل کیہمکار جس نے 'بنی اسرائیل کی تاریخ کا خلاصہ' نام کتاب لکھی ہے اپنی کتاب میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں "وہ عید حنکا جو ۱۶۵ قبل مسیح جاری ہوئی اور دوسری ہیکل کی تباہی سے بے خبر تھا۔ مثناکے زمانہ کی رسومات و رواج کا پابند ہونا۔ عبادت کے وقت لوبان جلانا وغیرہ وغیرہ امور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگ سنہ عیسوی سے دو سو سال قبل ہندوستان

میں آئے ہونگے"۔

بمبئی کے بنی اسرائیل کے علاوہ علاقہ مالابار میں ایک اور یہودیوں کی شاخ رہتی ہے۔ جنکی تعداد ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے بموجب ۱۲۷۱ ہے۔ اُنکا بیان ہے کہ وہ "بابلی اسیری" کے وقت سے اصل قوم سے علیحدہ ہو چکے ہوئے ہیں اگرچہ اُنکو عبرانی کا کچھ علم ہے مگر بولتے دکن کی ملیالم زبان ہیں۔ اہل یورپ نے اُنکے دو حصّے کیئے ہیں یعنی سفید یہودی اور سیاہ یہودی۔ یہ سیاہ یہودی اگرچہ کسی قدر سیاہی مائل رنگ کے ہیں لیکن اُنکا رنگ اسقدر سیاہ نہیں جیسا کہ کئی ہندوستانیوں کا ہوتا ہے۔ ان سیاہ یہودیوں کی پھر دو جماعتیں ہیں۔ ایک کو میک ہے سیم یا بعض اوقات بھورے یہودی کہا جاتا ہے یہ لوگ اصل اسرائیل آباد کاروں کی نسل سے ہیں اور دوسری جماعت کو غیر میک ہے سیم کہا جاتا ہے یہ لوگ دوغلے ہیں۔ کتاب مسمیٰ بہ "یہود ہندوستان و مشرق بعیدہ میں" کے مصنف کی رائے میں سفید یہودی بعد کے آئے ہوئے اسرائیلی ہیں۔ اسی کتاب کے مصنف کا خیال ہے کہ احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل اور مالابار کے یہودی دراصل ایک ہی شاخ ہیں صرف کچھ دیر اکٹھے رہ کر باہم جدا ہو گئے ہیں۔

بمبئی کے بنی اسرائیل اور دوسرے اسرائیلی ہندوستان میں کیونکر آئے اسکے متعلق چار مختلف خیالات ہیں۔

(۱) بعض کا خیال ہے کہ ہندوستانی اسرائیل یمن کے یہود کی ایک شاخ ہیں۔ مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ پہلے تو یمن کے یہودی قریباً تمام کے تمام عرب ہیں جنہوں نے سنہ۵۰۰ء میں یہودیت کو قبول کیا تھا۔ دوسرے۔ اگر یہی سچ ہوتا تو جیسا کہ مسٹر ہیم سیموئیل کمکار فرماتے ہیں ضرور کوئی نہ کوئی ایسا نشان ملتا جو ہندوستانی و یمنی یہودیوں کے باہم تعلقات و ہمدردی وغیرہ کا اظہار کرتا۔ سوئم۔ ایسی شہادتیں ملتی ہیں جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی اسرائیلی سواحل ہند پر یمن کے یہودیوں کے وجود سے بھی پہلے آباد ہو چکے تھے۔ ہندوستانی بنی اسرائیل کے رسومات و تہوار طالمود کے زمانہ سے پہلے کے ہیں۔ چہارم ہندوستانی بنی اسرائیل کی پشتینی روایت یہ بتلاتی ہے کہ وہ شمالی علاقہ جات سے آئے تھے لیکن یمن مغرب

کی طرف واقع ہے۔

(۲) مسٹر ہیم کے خیال میں وہ براہ راست فلسطین سے آئے تھے اور شمالی علاقجات ہی اُنکی مُراد وہ یہودی صوبے ہیں جو مسیح سے پہلے ملک فلسطین کے اندر گلیل کے شمالی حصوں میں قائم ہوگئے تھے۔ اس خیال کے متعلق ہمارا مصنف یعنی اُس کتاب کا مصنف جسکا ہم نے ابتدا میں ذکر کیا ہے لکھتا ہے کہ "صحیح بات یہ ہو کہ ہم اپنے قابل ادب اور معزز مصنف کی اس بات کا ہرگز ہرگز یقین نہیں کر سکتے کہ (بمبئی کے بنی اسرائیل) کی روایت سے فلسطین کے شمالی صوبجات مراد ہیں"

(۳) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عراق کے یہود کی اولاد ہیں جو خلیج فارس کے راستہ ہندوستان کو آئے تھے کیونکہ سنہ ۶ء میں خلیج فارس اور ہندوستان کے درمیان بڑے بڑے تجارتی تعلقات تھے۔ یہ خیال بھی مفصلہ ذیل وجوہات سے ناقابل تسلیم ہے۔ اوّل۔ ہندوستان کے اسرائیلی سنہ ۶ء سے سالہا سال پہلے ہندوستان کے سواحل پر آباد ہو چکے تھے۔ دوم۔ بنی اسرائیل کی روایات کے بموجب اُنکے ہندوستان کو آنیکا سبب تجارت نہیں تھی بلکہ پولٹیکل شکست اور سختیاں تھیں۔ ہمارے مصنف نے اُس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے "وہ (بنی اسرائیل) کہتے ہیں کہ قریباً سولہ سو یا اٹھارہ سو سال کا عرصہ ہوا جب اُنکے بزرگوں کے جہاز سواحل ہند پر غرق ہوگئے۔ وہ شمالی علاقوں کی طرف سے آئے تھے اور اُنکے آنیکی وجہ پولٹیکل شکست و سختیاں تھیں ..... اُنہیں سے صرف ۱۴ آدمی سات مرد اور سات عورتیں زندہ بچے اور ایک گاؤں کے پاس (جسکا نام نوا گاؤں ہے) وہ کنارے لگ گئے ..... یہاں پر اُن کو جس قدر ہمراہیوں کی لاشیں کناری لگی مل سکیں اُنہوں نے وہ دفن کر دیں۔ ایک مدفن کے نزدیک جسمیں بنی اسرائیل کے دو سو مقبرے ہیں۔ دو پُشتے ہیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اُنکے غرق شدہ اسرائیلی بھائیوں کی قبریں ہیں۔

(۴) خود ہمارے مصنف کا خیال ہو کہ ہندوستان کے بنی اسرائیل کے بزرگ ایرانی کردستان کے بنی اسرائیل کی اولاد ہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ مانا جا سکتا ہو کہ کردستان میں

تھوڑے سے بنی اسرائیل رہتے ہیں اور وہ اسرائیل کی گم گشتہ قوموں میں سے ہیں تو پھر اسکے ملنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ ایک بڑی بھاری قوم جنکو بنی اسرائیل ہونیکا دعویٰ بھی ہے اور افغانستان میں آباد ہے وہ بھی اسرائیل کی گم گشتہ قوموں میں سے ہو۔ اسرائیلیوں کی چھوٹی سی جماعت کا ایران میں موجود ہونا اس امر کی ہرگز دلیل نہیں ہو سکتا کہ ہندوستانی بنی اسرائیل مذکورہ جماعت کی شاخ ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کے بنی اسرائیلیوں کی متواتر روایت کو صحیح مانیں تو سوائے اسکے ہم اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے کہ وہ افغانستان سے آئے تھے کیونکہ بمبئی اور مالابار کے ٹھیک شمال میں اگر کوئی ملک ہو سکتا ہے تو صرف افغانستان ہے جہاں اسرائیلیوں کا پتہ چلتا ہے۔

اگرچہ ہمارے مصنف صاحب کا خیال ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل اور ہندوستان کے دوسرے اسرائیلی سب کے سب ایرانی بنی اسرائیل کی شاخ ہیں لیکن وہ اس خیال پر زور نہیں دیتے اور نہ ہی خود کوئی فیصلہ کرتے ہیں بلکہ وہ اس معاملہ کو ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہیں جو مختلف صورتیں اُنہوں نے پیش کی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ جن شمالی علاقوں کا بنی اسرائیل کی روایات میں ذکر ہے وہ افغانستان اور کشمیر ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "یہ خیال کہ شائد بنی اسرائیل افغانستان و بلوچستان سے جنوب کی طرف آئے ہوں بالکل نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ مسٹر اے۔ سلیمان نے لاڑکانہ علاقہ سندھ سے جوئش کرانیکل نام اخبار کو ایک خط لکھا تھا جو اخبار مذکور نے ۲۹ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں شائع کیا تھا (دیکھو صفحہ ۲۰ اخبار مذکور) اس خط میں صاحب موصوف نے ایک کتاب کے بہت سے حوالے دیئے ہیں جسکے مصنف کوئی صاحب شیخ صادق علی نام ہیں۔ شیخ صادق علی صاحب کی رائے میں انصاری۔ افغان یا پٹھان اور بیرا بوئی سب یہودی یا بنی اسرائیل ہیں۔ مسٹر سلیمان کا بیان ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل کو ان اقوام سے بلحاظ شکل و شباہت اور خط و خال کے بہت کچھ شباہت ہے چنانچہ اُنکے کانوں پر زلفیں لٹکی رہتی ہیں جسکا ہندوستانی اور بغدادی بنی اسرائیل میں عام رواج ہے۔ ان لوگوں کے چہرہ سے صاف اسرائیلیت ٹپکتی ہے اگر اُنسے کوئی کہے کہ میں بنی اسرائیل میں سے ہوں

تو وہ اسی طرح ملتے ہیں گو یا وہ خود اُنکا اپنا آدمی ہے۔"

ہماری مصنف صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مسٹر سلیمان نے جیوئش کرانیکل میں ایک واقعہ درج کرایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایکدفعہ مسٹر موصوف کی کسی مسلمان نے دعوت کی جب وہ دعوت کھانیکے لیئے اپنے میزبان کے گھر گئے تو دسترخوان پر میٹھی روٹی۔ اور بکری کا جگر تھا اور خوشبو تیار کی گئی تھی علاوہ ازیں گھر والوں نے اپنے مہمان کو ایک عبرانی دعاؤں کی کتاب بھی دکھائی اگرچہ مسٹر سلیمان نے بار بار درخواست کی کہ یہ کتاب اُنکو دیدیجائی لیکن انکے میزبان نے اس کتاب کے دینے سے انکار کر دیا۔ مسٹر۔ اے۔ کے جانسٹن صاحب اپنی کتاب ڈکشنری آف جاگرفی میں افغانوں کے متعلق ذیل کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔

"جب نادرشاہ پشاور پہنچا تو یوسف زئی قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے شاہ موصوف کیخدمت میں ایک عبرانی تورات اور چند ایسی دیگر اشیاء پیش کیں جو وہ اپنی قدیم پرستش میں استعمال کیا کرتے تھے اور جو انہوں نے اُس وقت سے محفوظ رکھی ہوئی تھیں ان اشیار کو یہودیوں نے جو فوج کے ہمراہ تھے فوراً پہچان لیا۔"

پادری ٹی۔ ایچ لارڈ صاحب جنکی کتاب کی بنا پر ہم نے یہ مضمون لکھا ہے اس بات کو تسلیم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی شمالی علاقہ جات سے آنیکی روایت صحیح ہو اور اسکی صحت یوں ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل یا تو خود افغانستان سے ہی آئی ہونگے یا افغانستان اور بلوچستان کے راستہ سے آئے ہونگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب کو افغانوں اور کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونیکے دلائل سے پوری واقفیت نہیں تھی ورنہ وہ اس سوال کو بلا فیصل کیئے نہ چھوڑتے۔ بنی اسرائیل کی روایت سے یہ بات تو بالکل حل ہو جاتی ہے کہ اُنکے ہندوستان میں آنیکی وجہ تجارت نہ تھی بلکہ پولیٹیکل تباہی اور سختیاں تھیں۔ اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شمالی علاقوں میں ایک عرصہ تک رہے تھے اور وہاں مستقل طور پر آباد بھی ہو گئے تھے لیکن پولیٹیکل تباہی اور سختیوں نے اُنکو مجبور کیا کہ ان ملکوں کو چھوڑیں اور نیا گھر تلاش کریں۔

ریویو

بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری - جس میں باوا صاحب موصوف کے مفصل حالات اور اُنکی تعلیم اور توحید و معرفت الٰہی کے دلچسپ مضامین درج ہیں حال ہی میں اخبار نور کے لائق ایڈیٹر شیخ محمد یوسف صاحب سابق سورن سنگھ نے تالیف کرکے شائع کی ہے۔ اس زمانہ میں جو جو امور خدائے تعالیٰ نے اپنے آخری زمانہ کے موعود حضرت مسیح موعود علی انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ منکشف کیئے ہیں اُن میں حضرت بابا صاحب کا مسلمان ہونا بھی ہے اسلیئے ایسے بزرگ کی لائیف کا پڑھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا خصوصاً جب وہ ایسے شخص کی تصنیف ہو جو سکھ مذہب کے حالات سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔ جو صاحبان اخبار نور کے خریدار ہیں۔ وہ شیخ صاحب کے زور قلم اور قوت بیان سے بخوبی آگاہ ہونگے۔ یہ کتاب ۱۶۰ صفحہ پر ختم ہوتی ہے اور ایڈیٹر نور قادیان سے مل سکتی ہے۔ قیمت ۸/

رسالہ کفارہ - اصل میں یہ ایک تقریر تھی جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر نے لاہور میں عیسائیوں کے مقابل اسلامی لیکچروں کے سلسلہ میں بیان فرمائی تھی۔ یہ تقریر نہایت مقبول ہوئی اور حاضرین کی درخواست کے بموجب اسکو ایک رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا ہے عقلی اور نقلی دلائل سے کفارہ کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اور نجات کی فلاسفی بیان کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ حقیقی نجات کی راہ اسلام ہی ہے۔ تقریر شروع سے آخر تک فاضل مصنف کی طبعی ظرافت سے رنگی ہوئی ہے۔ اور اسکو پڑھتے ہوئے عیسائیوں کی بے وقوفی پر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس مضمون کو بہت پسند فرمایا ہے۔ یہ ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے اور دفتر بدر قادیان سے مل سکتا ہے۔

اسرار شریعت جلد اوّل :- آجکل کے بعض معترضین کی عادت ہے کہ وہ ہر ایک امر کیلیئے عقلی دلائل مانگتے ہیں۔ اس غرض کو مدنظر رکھکر مولوی محمد فضل خاں صاحب چنگوی نے ایک کتاب اسرار شریعت لکھی ہے۔ جسمیں بہت سے احکام و مسائل کی حکمت و فلاسفی مع حوالہ قرآن مجید و حدیث و اقوال ائمہ دین درج ہے۔ یہ اپنی نوع کی پہلی کتاب ہیں جو اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ جو اس کتاب کی وسعت مضامین کا اندازہ کرنا چاہیں وہ فاضل مصنف سے فہرست مضامین مطبوعہ منگا کر دیکھیں۔ کتاب بہت مفید اور دلچسپ ہے۔ ۲۰۰ صفحہ قیمت عہ/ فاضل مصنف سے مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتی ہے۔ مقام و ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخان۔ ضلع راولپنڈی۔